
مٹی کے دیے
Sajood
مشتاق احمد مشتاق
سید یعقوب دلکش
غلام نبی شاہد



مٹی کے دیئے

کترِ وی ژأنگی

- مشتاق احمد مشتاق
- سید یعقوب دلکش
- غلام نبی شاھد

اردو اور کشمیری افسانوں کا سنگم

بار اول ـــــــ تعداد ـــــــ ۵۰۰
سال ـــــــ ۱۹۷۶ء
سرورق ـــــــ سجود سیلانی
کتابت ـــــــ محمد سلیم
طباعت ـــــــ بروکا زپریس

مصنفین ـــ مشتاق احمد مشتاق۔ سید یعقوب دلکش۔ غلام نبی شاہد

ان تمام افسانوں کے تمام کردار اور کرداروں کے نام فرضی ہیں اس سے کوئی مطابقت محض اتفاقیہ ہو سکتی ہے جس کے لئے مصنفین پر کسی قسم کی کوئی ذمہ داری عاید نہیں ہو سکتی۔

قیمت =/5 روپے

مجھے روکے گا تو اے ناخدا کیا غرق ہونے سے
کہ جن کو ڈوبنا ہو ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں

(اقبالؒ)

انتساب

اُن حساس چوٹوں کے نام جنہوں نے ہمیں قلم
اٹھانے پر مجبور کیا۔

عجوبہ

"مٹی کے دئے" نئی نسل کے تین اُبھرتے ہوئے اُدیبوں کی مشترکہ کاوشوں کا ثمرہ ہے۔ جہاں تک میرے مشاہدے کا تعلق ہے میں دُنیائے ادب میں ایسا متحیر کن عجوبہ پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔ میرے نظرئیے کے مطابق افسانوں کا یہ حسین مجموعہ چونکا دینے والا عجوبہ اسلئے کہلایا کہ یہ بیک وقت دو زبانوں کی نمایندگی کرتا ہے۔ اس میں اردو کہانیاں بھی ہیں اور کشمیری زبان میں لکھے گئے افسانے بھی۔ دو زبانوں کا یہ سنگم ہر لحاظ سے ایک نئی ایجاد ہے اور اس ایجاد کے موجد تین ایسے نوخیز قلم کار ہیں جو گلستان ادب کی ایک ہی کیاری کے پھول ہوتے ہوئے بھی الگ تھلگ تصور اور طرزِ تحریر کے مالک ہیں۔ جہاں مشتاق کے ہاں اچھوتے موضوع اور اسلوب کی صحیح جانکاری نمایاں ہے وہاں شاہد کی دل آویز طرزِ تحریر اور بیان میں بہتے پانی کی روانی بھی صاف عیاں ہے۔ دونوں قلم کار اگرچہ کہانی کے روایتی رنگ پر اکتفا کئے ہوئے ہیں۔ تاہم

ان کی ہر کہانی ذہنیت اور سوسائٹی پر لگے ہوئے بدنما دھبوں کی بے باکی کے ساتھ نشاندہی کرتی ہے۔ مشتاق نے "مٹی کا دیا" تخلیق کر کے جہاں اوباش مردوں پر طنز کی کاری ضرب لگا دی ہے وہاں ستم رسیدہ افسانہ جیسی معصوم لڑکیوں پر مشتاق نے آنسو بھی بہائے ہیں۔ بوند بوند پیاسی میں شاہد نے خود بھی جذبات کی رو میں بہہ کر جذبات نگاری اور حقیقت پسندی کا مظاہرہ کیا ہے۔ خط پر مبنی اس کہانی میں شاہد کا اچھوتا فن واضح طور پر نکھر آیا ہے۔ الغرض مشتاق اور شاہد کی ہر کہانی میں روایتی رنگ کی حسین چاشنی اتم موجود ہے لیکن ان کے برعکس دلکش کی کشمیری زبان میں لکھی گئی دلکش کہانیاں جدیدیت کے سانچے میں اسطرح ڈھل گئیں ہیں کہ قاری اپنے ذہن کو جھنجھوڑنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ دلکش نے جدید افسانے کا اسلوب اچھی طرح سمجھ لیا ہے۔ اسی لئے اس کی ہر کہانی غور طلب ہے۔ مخصوص علامتوں کا سہارا لیکر اپنے داخلی احساسات کا اظہار کرنا آجکل معیاری فن کہلاتا ہے اور دلکش اس فن سے بخوبی واقف نظر آتا ہے۔ "گل قند" میں دلکش کا جدید رنگ عروج پر ہے۔ لیکن ابہام کے بھاری پتھر کے تلے دبا دبا ہوا فن پارہ کبھی کبھار دب کر ہی رہ جاتا ہے۔ لہذا کہانی کار کو قاری کی ذہنی سکت کا لحاظ سامنے رکھتے ہوئے مناسب ابہام کا استفادہ اُٹھانا چاہیئے۔ تاہم دلکش کی کہانیاں مبہم سہی

پھر بھی وقت کا تقاضہ پورا کرنے میں پیش پیش ہیں۔

بہر کیف جسکے سینے میں دھڑکتا ہوا احساس دل ہو اور پرکھنے والی آنکھیں ہوں وہی انسان ادیب کہلاتا ہے۔ افسانوں کے اس حسین مجموعہ کے پیش نظر مشتاق، شاہد اور دلکش کی ابھرتی ادیبانہ صلاحیتوں کا بھرپور احساس ہوتا ہے۔ اگر اسی روش کے مطابق یہ لوگ لکھتے رہے تو عنقریب ہی میدان ادب کے شہسواروں میں شمار کئے جائینگے۔ کہانی کے تئیں ان تینوں دوستوں کا رجحان دیکھ کر مجھے انکے روشن مستقبل کا یقین ہو گیا۔ میری تمام نیک خواہشات انکے ساتھ ہیں۔ اور مجھے کامل یقین ہے کہ "مٹی کے دئے" کو ہر طبقۂ فکر میں پسند کیا جائیگا۔

سجود سیلانی

وائی آرٹ

ڈلگیٹ۔ سرینگر کشمیر۔

۱۹ ستمبر ۱۹۷۶ء

ترتیب

دیباچہ

فطرتاً ہر انسان ایک مصور، ایک شاعر ایک ادیب... ایک فن کار ہوتا ہے۔ لیکن فن ——! فن حساس ذہنوں کا وہ معصوم و مقدس روح پرور جذبہ ہوتا ہے۔ جسکی کوکھ میں آدمی زندگی کی مکروہ و بھیانک، حسین و شوخ، تلخ و شیریں حادثوں سے متاثر ہو کر اپنے جذبات و احساسات کی ترجمانی کیلئے قلم کا سہارا لیتا ہے —— ہم تین نوجوانوں کا سنگم "شاہین بھٹی ہٹر خانیار" کی پرخلوص آغوش میں ہوا۔ خیالوں کا تبادلہ ہوا۔ اپنی تخلیقوں پر بحثیں کیں...... اور پھر جیسے کسی انجانی قوت نے ہمارے شوق آتش کو بھڑکا کہ ہمیں ادب کے وسیع سمندر میں غرق کرنے کی سعی کی۔ اسطرح بالآخر "ساگر پبلیکیشنز" کی طرف سے ہمارا یہ افسانوی مجموعہ "مٹی کے دیئے" ....

کوشش پہلی ہے۔ یقین ہے کہ آپ اسے پسند فرمائیں گے —— اور اپنی قیمتی اور گراں قدر رائے سے ضرور نوازیں گے ——

ہم اور دوستوں کے علاوہ جناب سجود سیلانی کی بہ

شفقت شخصیت کے بے حد ممنون ہیں۔ کہ انہوں نے ہر رنگ میں ہماری حوصلہ افزائی کی۔

* مشتاق احمد مشتاق
* سید یعقوب دلکش
* غلام نبی شاہد

تحفے

مشتاق احمد مشتاق

مشتاق امیری

دسمبر کی سرد ٹھٹھرتی ہوئی رات سیاہ لبادہ اوڑھے دھیرے دھیرے سرکتی جا رہی تھی۔ بند کمروں میں لاتعداد انسانوں کی لاشیں دراز پڑی تھیں دور دور تک کوئی آواز، کوئی نغمہ ___ زندگی کا کوئی متحرک تصور نہ تھا۔ کائنات خاموش تھی۔ سڑک سنسان تھی۔ اور گلی ویران....! لیکن اچانک دور کوئی کتا بھونک اٹھا ___ جیسے کہ زندگی، حرکت اور عمل کا احساس دلا رہا ہو۔ اور دوسرے ہی لمحے ایک انسانی ہیولہ ویران گلی میں سے گذر کر ایک جھونپڑی نما مکان میں داخل ہو گیا۔ ایک کمرے کے نزدیک پہنچ کر لالٹین کی مدہم روشنی میں چولہے کے قریب بیٹھی ایک جوان لڑکی کو اونگھتے ہوئے دیکھا۔ سرد آہ بھر کر آواز دی ___ "حلیمہ"

"آ ___ اکرم بھیا ___" لڑکی نے ہڑبڑا کر اپنی بڑی بڑی گول آنکھیں پھیلاتے ہوئے شکایتی لہجے میں کہا ___ "اتنی دیر تم کہاں تھے بھیا ___ یہاں میں اکیلی ڈر رہی تھی ___"

"پگلی ___" اکرم نے پیار سے ڈانٹا ___ "ڈر کس بات کا تمہارے ہی کام سے درزی کے پاس گیا تھا۔ وہیں کچھ دیر ہو گئی۔ اور پھر میں نے

پہلے ہی کہا تھا۔ مجھے دیر ہو جائے تو میرا انتظار مت کرنا۔ کھانا کھا کے نہیں سو جانا چاہیئے۔ میرے ہوتے ہوئے تمہیں کوئی تکلیف نہ ہونی چاہیئے۔"

"تکلیف تو بھیا تم اٹھاتے ہو۔ میرے لئے اتنا کام۔۔۔۔"

"کام ——" اکرم بہن کی معصومیت پر مسکرایا —— "بس نہ کر دل۔ تو کیا تو کرے گی۔ میری بھولی بہن تیرے سوا اس دنیا میں میرا ہے ہی کون۔ تیری خوشی ہی میری خوشی ہے۔ بس اک ارمان ہے تو صرف تمہاری شادی کا"۔۔۔

"بھیا ——!" حلیمہ کے رخسار بارِ حیاء سے سرخ ہو گئے۔ اُسکا جسم پسینے سے شرابور ہو گیا۔ وہ شرم کے مارے دوسرے کمرے میں بھاگنے ہی والی تھی۔ کہ اکرم نے آواز دی۔ "اری بھاگتی کہاں ہے۔ آج کیا مجھے بھوکا ہی مار ڈالے گی"۔

حلیمہ کے قدم رک گئے۔

خاموشی سے بھائی کے سامنے کھانا رکھدیا —— کھانے کے دوران اکرم حلیمہ سے باتیں کرتا رہا۔ بہن کے کنول جیسے ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھنے کیلئے مچلتا رہا۔ حلیمہ بہت کم ہنستی تھی۔ بہت کم باتیں کرتی تھی۔ شرمیلی اور کم گو لڑکی تھی۔ شرمیلی نگاہوں سے بھائی کے چہرے کو تکتی جیسے ہر بات کا جواب ہو۔ ہر جذبے کا خیر مقدم ہو۔ کھانا کھا کر دونوں خاموشی سے اپنے اپنے کمرے میں چلے آئے۔ رات کا ایک بج چکا تھا۔

اکرم نے سونے کی کوشش کی۔ لیکن معمول کی طرح آج بھی اُسکی نیند روٹھی ہی تھی آدمی زیادہ سوچے تو نیند کم ہی آتی ہے۔ اِس وقت بھی وہ کھڑکی کے سامنے بستر پہ لیٹے لیٹے سوچ رہا تھا۔ حالانکہ سردی زوروں کی تھی۔ وہ کھڑکی بند کر سکتا تھا۔ لیکن نہیں —— وہ کھڑکی بند کر کے سو جانے کا عادی نہیں تھا۔ بند کمرے میں وہ گھٹن

سی محسوس کرتا۔ جیسے کہ تپ دق کا مریض ہو۔۔۔۔۔۔ اُسکی عمر صرف تئیس سال تھی۔ لیکن چہرے پر جوانوں جیسی کوئی شگفتگی، کوئی تازگی نہ تھی۔ حالات اور حادثوں نے اُسے وقت سے پہلے ہی بوڑھا بنا دیا تھا۔ ماں کے نقوش ابھی طرح یاد نہ تھے کہ چھوٹی بہن حلیمہ کے جنم کے ساتھ ہی چل بسی تھی۔ ٹرک ڈرائیور باپ اُس وقت ایکسیڈنٹ میں مر گیا۔ جب وہ صرف ۱۳ سال کا ایک معصوم بے فکر بچہ تھا۔ بھری دنیا میں چھوٹی بہن حلیمہ کے سوا اور کوئی اپنا نہ رہ گیا تھا۔ اور کسی نے سرپرستی نہ کی تھی۔ کئی دنوں تک وہ بہن بھائی ایک دوسرے سے لپٹے روتے رہے ۔۔۔ آخر کب تک ۔۔۔ ؟ باپ کی رہی سہی پونجی ختم ہوتے ہی بھوک اپنا بد صورت منہ کھولے بھیانک رقص کرنے لگی۔ زندگی کی تلخیاں مکروہ چال چلتی ہوئی سامنے آگئیں۔ چھوٹا معصوم بچہ ذمہ داریوں کے احساس تلے دب گیا۔ لیکن اس نے ہاتھ نہ پھیلائے۔ جلد ہی سنبھلا اپنی تعلیم ترک کی۔ اور لال چوک میں مقامی اخبار بیچ کر دو تین روپے کما کے اپنا اور اپنی بہن کا پیٹ پالنے لگا۔

دن گذرتے گئے ـــــ ہفتے اور سال ـــــ !

اکرم جوان ہو گیا ـــــ لیکن جوانی کا کوئی شوخ خواب اُسکے ذہن میں نہ مچلا۔ جوانی کے اُچھلتے مچلتے جذبے مردہ تھے ـــــ پیٹ پرسکون نہ ہو۔ تو شادی زندگی اور جذبات کی وقعت ہی کیا ۔۔۔ ؟ ارمان مچلنے ہی پڑتے ہیں۔ پیٹ کے بعد انسان کو اپنی عزت پیاری ہوتی ہے۔ پیٹ کا مسئلہ آدمی محنت مشقت سے حل کرتا ہے جبکہ عزت کیلئے دوسروں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ دوسروں کا محتاج رہنا پڑتا ہے لیکن وہ خوش قسمت تھا کہ بہن اُسکی عزت سنبھالے رکھی تھی۔ شرم دار تھی پھٹے پرانے کپڑوں میں اپنی جوانی چھپا رہی تھی۔ محلے بھر میں اُسکی

شرافت کے چرچے تھے۔ ایسی بہنیں قسمت والوں کو ہی ملتی ہیں۔ باپ، ماں کوئی عزیز سرپرست نہ ہو تو بھائی کے لئے بہن کا گھر بسانا ...... بہن کو دلہن بنانا...... بہن کے لئے جیون ساتھی تلاش کرنا ایک اولین فرض بن جاتا ہے۔ اکرم کو اپنی کم مائیگی کا احساس تھا۔ لیکن وہ فرض سے آنکھیں چرانے والا آدمی نہ تھا۔ ہر ماہ کچھ روپے بچا کر بہن کی شادی کے لئے سامان بنا رہا تھا اور مہینے کی پہلی تاریخ کو کوئی نئی چیز لاکر کہتا ـــــ "دیکھ حلیمہ ـــــ یہ گہنا بھی تیار ہو گیا۔ اصلی چاندی کا ہے۔ اب جھمکے لانے ہیں۔ اور ہاں اچھے قیمتی کپڑے بھی تو لانے ہیں۔ کل شام سے میں کوئی دوسرا کام کروں گا۔ تیری شادی کے لئے ڈھیر سارے روپیوں کی ضرورت ہے۔"

"بھیا تم......" حلیمہ کچھ کہتے ہوئے رک جاتی۔ فرطِ جذبات سے بھائی کی پھیلی بانہوں میں آغوش میں اپنا سر چھپا کر سوچنے لگتی ـــــ بھائی اسے کتنا چاہتا ہے کتنی محنت کرتا ہے۔ بہن کو دلہن بنانے کا اسے کتنا ارمان ہے۔ یہ ارمان.... یہ خواب.... پورا بھی ہو گا یا......؟ وہ کچھ سمجھ نہ پا رہی تھی۔ اکرم بھی سوچ سوچ کے پریشان ہو جاتا۔ لڑکوں کا جیسے شہر میں کال پڑا تھا۔ کوئی شریف لڑکا ملتا نہ تھا۔ ملتا بھی اگر تو لڑکے والوں کے تقاضے اُس غریب کے لئے ناقابلِ برداشت ہوتے۔ لیکن اُس نے ہمت نہ ہاری۔ رات دن، سکھ چین، نیند آرام اپنا سب کچھ بھول کر ـــــ اپنے پیٹ پہ اپنے ارمانوں کا گلا گھونٹ کر بہن کے مستقبل کی روپ ریکھا سنوارنے کی کوشش میں لگا رہا ـــــ

مزید ایک سال گذر گیا۔

حلیمہ اب عمر کے چوبیسویں سال میں گذر رہی تھی۔ اکرم کو بہن کی جوانی بہن کے جذبات کا احساس تھا۔ لیکن وہ مطمئن تھا۔ خوش تھا۔ فکر کی اب کوئی بات نہ تھی۔ کہ رشتہ ایک جگہ طے ہو چکا تھا۔ ایک شام گھر لوٹ کر حلیمہ سے کہا۔ "اب تمہارے کپڑے بھی تیار ہیں۔ کپڑے بھی تیار ہو گئے۔ لڑکے والوں سے میں کل پرسوں شادی کی تاریخ مقرر کر دوں گا۔ باقی رہا اُن کی مانگ کا ایک ہزار روپیہ۔ اسکا بھی جلد ہی کوئی انتظام ہو جائے گا۔"

یہ سنکر حلیمہ کے چہرے پر خوشی کا کوئی تاثر پیدا نہ ہو گیا۔ معصوم سی نظروں سے اکرم کے چہرے کو تکنے لگی۔ جیسے شدت سے احساس ہو گیا ہے۔ کہ وہ بھائی کے لئے پریشانیوں کا سبب بنی ہوئی ہے۔ کاش اُسکا کوئی وجود نہ ہوتا۔ وہ مر گئی ہوتی۔ بھائی میرے لئے اتنی محنت نہ کرتا۔ اسقدر فکرمند اور پریشان نہ رہتا۔

اکرم جب بہت دنوں کی دوڑ دھوپ کے بعد بھی ایک ہزار روپے کا انتظام نہ کر سکا۔ تو ایک دن اُس نے حلیمہ کو بتائے بغیر اپنا جھونپڑی نما مکان گروی رکھدیا۔ اُسی دن شام کو لڑکے والوں سے شادی کی تاریخ مقرر کر کے گھر لوٹ آیا۔ وہ روزانہ گھر دیر سے آکر اکیلا کھانا کھاتا۔ اور حلیمہ کو بیدار کئے بغیر سو جاتا۔ مگر آج خوشی سے اُس کی بھوک مر گئی تھی۔ وہ بہن کو خوشخبری سنانے کے لئے بے تاب تھا۔ جلدی سے حلیمہ کے کمرے میں گیا۔ آواز دی۔ کوئی جواب نہ ملا۔ حلیمہ سو رہی تھی۔ بالحاف میں اپنے آپ کو چھپایا تھا۔ اکرم نے دوسری بار قدرے اونچی آواز میں پکارا۔ جواب پھر بھی نہ ملا۔ خوش خبری سننے سے پہلے مر تو نہیں گئی۔ لیکن نہیں۔ انسان اس رفتار سے مر جاتے تو آبادی کا مسئلہ

ہی کیسے کھڑا ہوتا۔ کام کرتے کرتے تھک گئی ہوگی بچاری۔ اُس نے تیسری بار آواز دینے کے ساتھ لحاف کو آہستہ سے کھینچا ۔۔۔ لیکن دوسرے ہی لمحے اُسکے پیروں تلے زمین نکل گئی ۔۔۔ وہاں جلیمہ نہ تھی بلکہ دو تکیے تھے ۔۔!!



ناد

سید یعقوب دلکش

"کرٕ مٕنز اوٚ برن دوٚل ساڑی ہِنٛز نٔبس نال۔ ۔ ۔ ۔ خبر رٕوٚد مالاگٔس
۔ ۔ ۔ ۔ بیٚنٛہ وہرآتھ روٚدس پیٹھ چھاکانٛہہ پٔتھ ۔ وُچھان چھُکھنا کمہٕ
وُزمُلہٕ تہٕ گگرا بہٕ چھہٕ گژھان" بھابی ہٕنٛز یمہٕ کتھہٕ آسہٕ میے وَنہٕ لیکان لیکِ
روٚدٕ ٹیکین وچھ وچھی یاد پیوان ۔ روٚدٕ شرانہٕ لاجہٕ نس ۔ گٔنی رانٛٹھ۔
۔ نہٕ پوٚت ژلہٕ لس وار، نہٕ بروٚنٛہہ پکہٕ نس وار ۔ ۔ اِدِ میے تُلمو
پننی پٔڑی تیز ۔ ۔ ۔ ژوٚدٕ نارٕ وُتُس بہٕ لبس ستالیس نش ۔ دُتُکھ سنٛتی اوس میے
ساڑی ہِنٛز پالَو لیتھ گوٚمُت ۔ سفید ٹیرٕ لینچ قمیض آس میے یدٕ نُس
سٕنتی لارِتھ گامُژ۔ کرٕ بہنہٕ پٔتلونہٕ مُنٛزٕ اوس روٚد دِگیہٕ لٔشان ۔
روٚدٕ شرانہٕ اوس ژوٚہ پاڑی ماتم کوٚرمُت ۔ چمٕکی پوشہٕ ٹوٗری
آسی لُرِ لُرِ پیلے مٕنٛز ۔ کوٚلن تہٕ آرن مُنٛد گرُوٹ آب اوس کتہٕ پلین سٕنٛتی
چھاوٕنہٕ کمہٕ تام ژھٕرٕ یمی سنگت کران ۔ ادہٕ بہٕ ۔ بہٕ اوسُس پٔنٛتھ گٔنہٕ

بسہٕ رُکنگ اشارٕ کرُن ۔ مگر ! لبس دُکھے تہٕ کنتھ ۔ سوٗ آس آسان سوار بو سینتر پُرتھ ۔

دوہ اوس دِرِ سینتو ۔ وتھ آس خاموش ۔ نہ سرنہ صداہ ۔ گلی لنجہٕ پیٹھ آسی زِ کاو ژھوہ پیٹھ ماے کرِتھ اکھ اکس سینتو ہیتھ ۔ رُدِ شرانہٕ آسہٕ ٹُنڈری منزی ژھوہ کان تہٕ یمو دیلو کاوَ ونہٕ اوس اکھ کاو پنٕنہِ گردن لوٗمہ راوان ۔ تہٕ بیاکھ کاو اوس امنہٕ ہِندس کلس پیٹھ تو نتہٕ سینتو پھش پھش دوان ۔ اُتھ کاوِ تونتہٕ سینتو پیوہ ہیہے پنُن دِچھُن اتھہ یاد ۔ لیُس اِ دٕنہٕ گاشش منز اوس تمیُسنز پریشان مننس منز پنٕنہِ تھذیب پرچ پکھ سیٹز لاوان ۔ تہٕ پنٕنہِ اچھی تہٕ نزن سمندر چشمن منز تہٕ نتہٕ ناوِ نہند ٹُلتھ اوسُس بہٕ سوٗدرس نارِ دوان ۔ اکھ آس آسان زُون ۔ بیہ سوہ تہٕ بہٕ ۔ بالکل قریب ۔ تتھ زون شہادت ۔ سماجہ چر دوہ سہٕ آسہٕ آسان منزٕ نیٹرٕ بہ ۔ اسہٕ وِچھِتھ آسی پنٕنہِ وتھرالہٕ ڈلہٕ کرِ لنس کھوژان ۔

پنٕنہِ دوہ پیٹھ گردن ہیانہٕ کوچھِ منز تھاوتھ آسی تمیُسند دوہ زلی وٹھ ژٹی زٕ ڈی صرف یہے اکھ کتھ وَنان ۔ "یہ زُون کیازِ تیز تیز لوسان ؟" ڈلکہٕ تلاوِتھ ۔ دوہ زلین وٹھ سینتو پنٕنہِ ہوگھو منتو وِٹھ تھاوِتھ ۔ اچھو بند کرِتھ ۔ اوس تمیس بہٕ وارِ وارِ وَنان ۔

"بہٕ زُون چھ آفتابچہ مایہ تیز تیز لوسان ۔ مگر صبح واتتھ چھو اَمِس تھکہٕ تران ۔ تہٕ صبح پھوٗل آفتابہٕ کہٕ خاطرہ ۔ تہٕ راتھ لوسِن میانی خاطرہ تیرے ۔

اوہو ـــ میے ژٕج کرٕ بکھ نیرٕتھ ـــ سہ گیہٕ نیٚے سنگہ کو چہٕ منز تھوٚدٕ وُتھتھ
ـــ "کیاہ"؟ ـــ کہنی نہٕ ـــ "ژٕ بے نیوٚتھ خابس منز پنٕنہٕ اَتھہٕ سیتھۍ
میانہٕ زٕخمک کھرٕ ول ژُلنتھ" ـــ "یہٕ کیٚتھ زٕخم؟" سوٚ لٔجی میے وننہٕ ـــ
"یہٕ چھُہ سُہ زٕخم یُس تمۍ سُندٕ نار ژٕھینٕتہٕ کوٚر" ـــ
نار ـــ کٔس نار؟
"انہٕ گٹہٕ آس بیلہٕ میے تمۍ آلو کوٚر ـــ بہٕ ژاس تمۍ سُندِس کمرس منز ـ میانہٕ
اژنہٕ پٔتے گو وکرٕوک درواژہٕ بند ـ لال بیٚنج سوٚ یٔتھ وآجی تمۍ لوٚن" ـــ
"کھوژمہٕ ..... مینژہٕ تیل ژھُناڈ دگ" ـــ
انٔس کھیچھ کرٕتھ بیہہٕ نووُنٔس بہٕ تمہٕ ژٕھینہٕ کٔرہ گاسوٚہ ژانگی جہٕ بیٹھہٕ ـــ
تمہٕ اوس برد ژھیے مَس پریشان گوٚ مُت ..... پرد کی جامہٕ گیے بیلہٕ ـــ
"یہٕ کیاہ"؟ ـــ ضمیرس ژٕجی کرٕ بکھ نیرٕتھ ـــ "یہٕ چھُہ نار ـــ یُس ژٕ بے
ژٕھینتہٕ پیے ووکرُن" ـــ !
بہٕ گوس ژانگی جہٕ بیٹھہٕ تھوٚد وُتھتھ ـــ
"یٔتھ روز بے حیا ـــ بے شرم" ـــ
"بے حیا بے شرم چھُہ نار ..... یُس الاوہٕ میے گوٚ ڈمُت چھُن ـــ سُہ کرٕ
ژٕھینتہٕ" ـــ
"یہٕ نار ژٕھینتہٕ کرُن چھُہ سفید لٔبن سیاہ رنگ کرُن ـ آمِس ٹھولَس
کُنڈ ژٕلنی ـ بے گوناہ پوشہٕ ٹوٚر یرہٕ کرُن ـ یُس یہٕ نار ژٕھینتہٕ کرہٕ تمِس
دزِن پرٕ ـــ یہٕ گوٚ سرسبز برگن زٕزٕراوُن ـــ"

نمۍ سٕنٛدی ناوِ پٮ۪ٹھی آسہٕ ہیٚے بٕرِتھ ژٕ کُن پکان - یہ اوٗسُس پننہٕ گرٕ تہٕ چیرِ ٹھپھ کرٕتھ پتہٕ پتہٕ ژلان — ییٚژ کنۍ آسہٕ اکھ اکھ دُزلۍ تہٕ گگرای گژھان —

اوک ژاد اوس ییٚمہٕ بوٗ سہ کنرِ و لیٚچھ آس — سو پیٚٹھۍ وُسی — لیٚچھ گیٚ پھٔلی —

" ییٚتہٕ لیٚچھ ہینٛدس آیہٕ کہ پنٛڈٕلس منٛز کُس ہٹس کرٕ ہیٚنۍ وانگھ گنٛڈٕتھ ؟

" ہیٚمون نار — ہرگاہ تہٕ ژٕ یِیٚ نار ژھنٛنہ کرکھ نیلہٕ کرِ یہ چانہٕ تہٕ سینٛتی ژھنہٕ نمۍ سندلو اکھو ییمہٕ میانۍ کرٕ نمۍ سینٛس تل ژٕ ٹھٔ — میٚے ژٕ ج کرٕ پکھ نیرتھ — نمۍ سندی ژند آسی مازس منٛز تریٚ ہیتی —

وٕتھ نمۍ سنٛدی آسی خوٗنہٕ سیٚتی برٕتھ — ....!

بس رٕکے یہ کہنۍ نام — شاہہ ژٕٹایہ آسہٕ لیجہٕ منٛزٕ اکھ اکس سیٚتی اتھہٕ واس کرٕنہٕ — کاوژٕ آسی انہٕ گرٕٹہٕ منٛز اکھ اکس سیٚتی کار آوتھ خابٕن منٛز —

بس آس اُوادٕرٕ سیٚتی برتھ — ژہلہٕ سیٚتی لوگ ہیٚمون سینہٕ نمۍ سندس کرس سیٚتی — نمۍ سُند کرٕ ہُن اودٕ دُمس اور میانس سینٛس سیٚتی نالہٕ موٗت کرٕتھ — میانہٕ نمیشہٕ ہنٛدی پاٹھو اوس نمۍ سُند اودُر اق بدلس سیٚتی لارتھ گومُت ۔

نمۍ سُند بٔتھ دٔچھنہٕ طرفہٕ تہٕ ہیٚمون کھووٕرہٕ طرفہٕ ۔ لیکہٕ ہینٛکرس

ہیُر وٕمس ڈنڈس پیٹھ اکھ اکِس پیٹھ اَتھ — بسہٕ ہنٛز دوٕ زٕ رچ تہٕ سبز
بُتھ آسس دنان تہٕ ژھینہٕ گژھان —— جذباتو ڈیُٹ ساریسے بدلنس
ملہ — تمہ زنان جذبات میانِس بدکس وٕمس وٕمس پیٹھ۔ ٹرینچ
قیفن تہٕ تمہ شد اوٚد وٕمس گوو خوشک۔ ہیُٹ پھوٚٹ اوٚشس۔ !
ہنزٕ دوٕ زٕلہٕ بوٚرٕچ کھوٚر آسس میانِس سفید بوٚلٹس پیٹھ۔
"سیٹ گیہٕ خالی"۔ کمی نام گوٚد آلو——
تمِس آس کھودرِس اَتھس منز ٹیوٚنڈ لاگِتھ دوٕ دٕ بوتل——!

گھونگھٹ خوابیدہ

غلام نبی شاہد

آج ۲۴ مارچ ہے۔ ہماری شادی کی تیسری سالگرہ مجھے تو خوش ہونا چاہیے تھا۔ میں اُداس کیوں ہوں ــ؟ عالیشان بنگلہ، نوکر چاکر، دھن دولت، پڑھی لکھی خوبصورت بیوی ـــــ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی جیسے میرے پاس کچھ نہیں ـــ یہ بناوٹ ہے، فریب ہے ـ چھل ہے ..... پھر ..... پھر حقیقت کیا ہے .....؟ ... وہ بیرونی گیٹ کے دائیں طرف ایک خستہ مگر حقیقت پرستی ایک جھونپڑی .... جہاں نہ نوکر ہے، نہ چاکر ہے، نہ دھن ہے نہ دولت ہے .... جہاں حقیقت ہے ..... سکون سے پُر ایک خوشگوار زندگی ہے ـــــ جہاں مالی اپنی بیوی اور دو بچوں کے ساتھ ایک پُرسکون زندگی بسر کر رہا ہے .... اُن کی شادی بھی تو آج ہوئی تھی ... !

ہاں ٹھیک تین سال پہلے اسی دن ۲۴ مارچ کو .... !

میں جب بھی اُداس ہوتا ہوں۔ میرے قدم اُسی جھونپڑی کی

اور بڑھنے لگتے ہیں.... جس کی گرد آلودہ دیواروں میں میرا ماضی دفن ہے.... آج میں بہت اُداس ہوں — اسلئے میرے قدم اُس جھونپڑی کی اور بڑھنے لگے — میں جوں جوں جھونپڑی کے اور بڑھنے لگا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے ماضی کا بپھرا ہوا سمندر مجھے نگلنے کے لئے بیقرار ہے — آج میں ماضی میں کھو جانے کے لئے تیار ہوں... کیونکہ آج میں بہت اُداس ہوں.... اچانک تند و تیز لہر نے مجھے ماضی کے بپھرے ہوئے سمندر میں ڈبو دیا.. اور میں پیچھے بہت پیچھے چلا گیا.......

اُن دنوں میری پوسٹنگ دہلی ہوئی تھی..... پہلے پہل میں دہلی کے نئے ماحول نئے لوگوں اور خاص کر گرمی کی شدت سے کچھ اُکتا سا گیا.... لیکن چند ہی دنوں میں مجھے ایک ساتھی مل گیا..... اور میں اس نئے ماحول سے مانوس سا ہو گیا — یہ ساتھی جس سے میں نے کبھی بات تک نہ کی.... جس کا نام تک نہ جانا.... جس نے میری طرف کبھی آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا..... اُسے دیکھ کر میرے دل میں ایک غیر معمولی ہمدردی پیدا ہوتی تھی.... میں ہر روز تصور میں اسکا ہمدرد بن کر اُس سے باتیں کیا کرتا تھا......... ہاں وہ بڑے پل کے اس پار بائیں طرف فٹ پاتھ پر اپنے پھٹے ہوئے ڈوپٹے کا ایک حصہ پھیلائے ہر آنے والے کے چہرے پر اپنے مستقبل کا دھندلا مگر زنگ آلودہ عکس دیکھتی رہتی تھی — لیکن ہر آنے والا قریب پہنچ کر پھٹے ہوئے ڈوپٹے پر ایک سکہ پھینکتا ہوا چلا جاتا تھا...... میں نے اُس کے پھٹے ہوئے ڈوپٹے پر کبھی سکہ نہیں پھینکا..... وہ بھکارن تھی... لیکن

میرے دل نے اُسے کبھی بھکارن کے روپ میں نہیں دیکھا ..... بڑی
بڑی کالی آنکھیں جن کی خاموشی ساگر کی طرح اپنے اندر نہ جانے کتنے طوفان
چھپائے تھیں ..... مُرجھایا ہوا معصوم چہرہ ... گردش کی چکی میں پِس کر
پت جھڑ کے پتے کی طرح سوکھ چکا تھا ....

—— وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ درد بھی بڑھتا گیا ..... ایک
کسک تھی ... ایک چبھن تھی ... ایک تصور تھا ... جو بھکارن کا لبادہ اوڑھ کر کبھی ہمدردی
کی بھیک مانگا کرتا تھا ... اور کبھی افلاس کا لبادہ پھینک کر میرے دل و دماغ
پر مسلط ہو جاتا تھا —— آخر دو سال کے طویل عرصے کے بعد میری پوسٹنگ
واپس سرینگر ہوئی ... لیکن میں اُس بھکارن کی کسک ۔ درد ۔ اور چبھن
کو بھلا نہ سکا جس تصور ۔ درد ۔ اور چبھن کے سہارے میں نے دو سال کا طویل
عرصہ ایسے گذارا جیسے میرے ساتھ میرا کوئی ہمدرد تھا —— ہم زبان تھا ——
ہم خیال تھا ..... !

آخر میں نے اُس بھکارن کو اپنے ساتھ سرینگر لے جانے کا فیصلہ
کر لیا .... اُس نے میرے ساتھ آنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس
نہ کی ۔ جب میں نے اُس سے یہ کہہ کر اپنے ساتھ آنے کو کہا کہ "ہمارے گھر میں ایک
ملازمہ کی ضرورت ہے ۔ اگر مناسب سمجھو" —— اِس سے پہلے میں کچھ اور
کہتا اُس کی بڑی بڑی کالی آنکھیں میرا بغور جائزہ لینے لگیں ۔ جیسے جو کچھ
میں نے کہا تھا اُس کا پس منظر میری آنکھوں میں دیکھنا چاہتی ہو ۔ اُس کی آنکھیں
پتہ نہیں کتنی دیر تک کُھلی رہیں اور مجھے تکتی رہیں —— جیسے اُسے

اپنے وجود کا احساس ہی نہ ہو۔ آخر دو اشک کے قطرے آنکھوں قید سے آزاد ہو کر خاک میں مل گئے ـــــــ ...... اپنا سر میرے قدموں پہ رکھ کر زار و قطار رونے لگی ...... میں نے لرزتے ہاتھوں سے نجمہ پاتھ پہ پھیلے ہوئے ڈوپٹے کو سمیٹ کر اُس کے سر پہ رکھ دیا ...!

...... راستے میں نجمہ سے ایسی کوئی بات نہ ہوئی جس سے اُس کے ماں باپ یا خاندان کا پتہ چلتا سوائے نام کے ـــــــ گھر پہنچ کر میں نے ماں سے یہ کہہ کر نجمہ کو ملازمت دلوائی کہ یہ وہاں میرے ایک دوست کی ملازمہ تھی ...... لیکن وہ کافی عرصے کے لئے ملک سے باہر گیا ہے .... اس لئے میں اسے یہاں تمہاری دیکھ بال کے لئے لایا ہوں ـــــــ تین مہینے کے تھوڑے ہی عرصے میں نجمہ گھر کے ہر فرد کے دل میں گھر کر چکی تھی ..... جس کی زبان پر دیکھو ایک ہی نام ..... نجمہ ـــــ نجمہ کے بغیر ہر کام ادھورا تھا ..... ہر انتخاب ادھورا تھا ...... نجمہ کے اخلاق و اطوار دیکھ کر ہر ایک اُس کا گرویدہ ہو گیا تھا ...... سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ماں نجمہ کو بہت پیار کرتی تھی ...... میرے تصور کی وہ بھکارن جو کبھی افلاس کا لبادہ اوڑھ کر ہمدردی کی بھیک مانگا کرتی تھی ...... اب وہ بھکارن کا لبادہ پھینک کر میرے دل کی گہرائیوں میں گم ہو چکی تھی ... میں نے محسوس کر لیا تھا ..... نجمہ کے بغیر میری زندگی ادھوری ہے ...... ویران ہے ... میرا اٹل فیصلہ تھا۔ میں ماں سے کہہ کر اِس تصور کو حقیقت کا لبادہ اوڑھ کر اپنی ایک الگ دنیا بسا لوں گا۔ جہاں نہ فریب ہوگا ـــ نہ بناوٹ ہو .. جہاں

سکون سے پر ایک خوشگوار زندگی ہو......!

اُس روز میرا جی کہیں نہ لگا۔۔۔۔ میں دن بھر نجمہ اور اپنے بارے میں ہی سوچتا رہا ——— آخری حل یہی تھا۔ میں ماں سے بات کر لوں ——— میں ابھی اپنے ذہن میں الفاظ ہی ترتیب دے رہا تھا کہ ماں کی آواز نے میرے ذہن سے سارے الفاظ جھٹک دئے....

"نہیں نجمہ کی سخت فکر تھی نا۔؟"

"ہاں ماں"۔ میرے منہ سے بے ساختہ نکل گیا

"میں نے نجمہ اور عبدل کی بات پکی کر لی"۔

"پکی کر لی" ——— میرا منہ ادھ کھلا رہ گیا۔۔۔!

"ایسی کوئی بات نہیں بیٹا میں نے دونوں سے پوچھ کر فیصلہ کر لیا ہے۔ دونوں راضی ہیں"۔

میری آواز حلق ہی میں اٹک گئی جیسے کسی نے مجھے پہاڑ کی اونچی چوٹی سے ہاتھ پیر باندھ کر نیچے گہری کھائی میں پھینک دیا ہو...... میں چلانا بھی چاہتا۔۔۔ لیکن چلا نہ سکتا...... میں کمرے تک گیا۔۔۔۔ اور ذہن میں ایک گورا چٹا مسکراتا ہوا چہرہ گھوم گیا...... ہمارا مالی ——— عبدل ——— برسوں سے اپنی وفاداری کا ثبوت دیتا آیا تھا.... اور شاید آج اُسے اپنی وفاداری کا بدل مل گیا تھا میری چھوٹی سی دنیا لوٹ کر ———!

——— آخر وہ دن بھی آگیا جس دن نجمہ اور عبدل کی شادی اور میرا شہر کے ایک رئیس کی اکلوتی بیٹی کے ساتھ چند ٹکڑوں کے عوض سودا ہو گیا ———

ہاں وہ ۲۴ مارچ کی ایک شام تھی۔ ۔ ۔ جب عبدل میرا سب کچھ لوٹ لے گیا ۔ ۔ ۔ ۔ میں کچھ کہہ نہ سکا ۔ ۔ ۔ ۔ مجھ کو خوشی تھی۔ مجھ کو اپنے وجود کا احساس ہو گیا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ انہوں نے اپنی چھوٹی سی دنیا باغ کے بیرونی گیٹ کے دائیں طرف ایک جھونپڑی میں آباد کر لی ــــ!

ــــــــ آج ۲۴ مارچ ہے۔ اور میں بہت اداس ہوں ۔ ۔ ۔ ۔ اسلئے میرے قدم اُس جھونپڑی کی اور بڑھنے لگے جس کی گرد آلودہ دیواروں میں میرا ماضی دفن ہے ــــ!

احساس کے گھاؤ

مشتاق احمد مشتاق

"دیکھو شوکت ——" سرفراز خان نے اپنے سامنے کھڑے ملازم سے کہا۔ "آج میں آخری بار کہتا ہوں۔ کہ تم اپنی روش بدل ڈالو۔"

"جناب بات، دراصل ——" شوکت نے کچھ کہنا چاہا۔

سرفراز خان نے بات کاٹ کر سختی سے کہا۔

"بات وات کچھ نہیں۔ پچھلے ایک ماہ سے تمہارے متعلق روز شکایتیں آتی ہیں۔ تم دیر سے آفس آتے ہو۔ بنا پوچھے چلے جاتے ہو۔ کام ڈھنگ سے نہیں کرتے —— کیا بات ہے۔ پہلے تم ایسے تو نہ تھے۔"

"پہلے میں۔۔۔۔؟" شوکت کہتے کہتے رک گیا۔ اسکی نظریں سرفراز خان کے قیمتی بوٹ پر سے پھسلتی ہوئی اسکے چہرے پر جم گئیں۔ اور دوسرے ہی لمحے [illegible] کا احساس ہو گیا۔ اُس نے سوچا۔۔۔

لمحوں کی بھاگ دوڑ اتنی تیز اور تلخ کیوں ہو جاتی ہے۔ سرفراز خان۔۔۔۔۔
وہ سرفراز خان کیوں نہ رہا۔ جو میرے ساتھ پڑھتا تھا۔ جو میرا دوست، میرا ہمراز تھا۔ آج وہ باتیں، وہ دوستی، وہ خلوص کیوں نہ رہا۔ یہ فاصلے، یہ دُوری کیوں ــــــ؟ آفیسر اور ماتحت کا رشتہ کیسا ــــــ؟ کیا انسان بڑا آدمی بن کر پُرانے رشتوں کو توڑ دیتا ہے۔ بھول جاتا ہے ــــ؟

"ہائے ڈارلنگ۔۔۔۔۔" ایک مدھم سی آواز نے شوکت کے خیالوں کا سلسلہ توڑ دیا۔ ایک خوبصورت لڑکی شوخ رومانی مسکراہٹیں بکھیرتی ہوئی کمرے میں داخل ہو کر بولی۔

"باہر دیکھئے کیا حسین موسم ہے۔ اور آپ ہیں کہ یہاں بیٹھے زندگی کے حسین لمحے برباد کر رہے ہیں۔"

"یہ ــــــ میں ذرا ان سے۔۔۔۔۔" سرفراز خان نے مُسکرا کر شوکت کی طرف اشارہ کیا۔ شوکت کو ایسا محسوس ہوا۔ جیسے اُسے ننگا کیا گیا ہو۔ اُسکی دھجیاں اڑا دی گئیں ہوں۔

اور لڑکی ایسے چونک اُٹھی۔

جیسے اب احساس ہو گیا۔ کہ یہ سرفراز خان کا پرائیویٹ رُوم نہیں بلکہ آفس ہے۔ یہاں اور بھی کوئی ہو سکتا ہے۔ وہ شوکت کی طرف مڑی ــــــ

ــــــ "آ۔۔۔۔ آپ۔۔۔۔ معاف کرنا میں نے آپ کو دیکھا نہیں تھا"

"کوئی بات نہیں ــــــ" شوکت لاپرواہی ظاہر کرنے کے لئے ہنس پڑا۔ سرفراز خان بھی ہنس پڑا۔ کوئی وجہ نہ تھی۔ لڑکی کے ہونٹوں پر بھی

ہنسی آ گئی۔ کوئی مفہوم کوئی معنی نہ تھا۔

چند لمحے یونہی خاموشی سے گذر گئے۔

پھر اچانک سرفراز خان اپنی کرسی سے اٹھکر بولا — "اچھا شوکت میں ذرا ان کے ساتھ باہر جا رہا ہوں۔ اور ہاں۔ جب تک میں نہ لوٹوں۔ یہیں رہنا تم سے ایک بات پر غور کرنا ہے۔"

"غور"۔ . . . شوکت نے ٹھنڈی سانس لی۔ جیسے کہنا چاہتا ہو۔ غور ہی تو کر رہا ہوں۔ اب کس بات پر غور کرنا ہے۔ غیر متوقع کچھ بھی نہ ہو رہا ہے۔ ایسا تو ہونا ہی تھا۔ صدیوں سے ہوتا چلا آیا ہے۔ آج بھی ہوا۔ کوئی نئی بات نہیں جاؤ ——— تم لوگ جاؤ — کہ لمحے قیمتی ہیں۔ جوانی کے لمحے . . . .

سرفراز خان لڑکی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر باہر نکلنے لگا۔ وہ دونوں نظروں سے اوجھل ہوئے۔ تو شوکت ایک لمحہ خالی خالی نظروں سے دروازے پر لگے ہلتے ہوئے پردے کو دیکھتا رہا۔ دوسرے ہی لمحے اس کے اندر سے کسی نے بے آواز قہقہہ لگا دیا — "تمہارا دوست ——— اور تمہاری محبوبہ سرفراز خان اور پروین بانو ——— جوڑی شاندار ہے۔"

"میں نے دیکھی۔" شوکت اپنے آپ سے چیخ کر بولا — "لیکن تمہاری طرح جلا نہیں جلاتا تو میں کبھی نہیں۔" — قہقہہ مزید تلخ ہو گیا ——— "لیکن تمہاری قسمت پہ رونا آتا ہے — کہ تم کلرک تھے۔ کلرک نہ ہوتے۔ کچھ اور ہوتے۔ تو . . ."

"تو کیا ہوتا ——— ؟" شوکت چلا اٹھا۔

قہقہے ۔میں تبدیلی آگئی۔

جیسے کوئی رونے ہوئے کہہ اُٹھا ہو ــــ "آج پروین کا بدلا بدلا روپ نہ دیکھنا پڑتا۔ تمہارے دوست کی محبوبہ بن کر سامنے نہ آتی۔ وہ تمہاری ہوتی صرف تمہاری ــــ یاد ہے شوکت تمہارا جذباتی فیصلہ سنکر پروین نے کیا کہا تھا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔

"شادی ــــ اور تم سے۔۔۔!"

"کیوں ــــ کیا تو ایسا نہیں چاہتی"

"نہیں بالکل نہیں ــــ" پروین کے لہجے میں کوئی جھجھک نہ تھی۔ "تم ہی سوچو ــــ کیا میرے ڈیڈی مجھے ایک کلرک سے شادی کرنے کی اجازت دیں گے ــــ"

"پروین ــــ" شوکت پاگلوں کی طرح چلا اُٹھا۔ "یہ تم کہہ رہی ہو۔ تم ــــ پھر تمہارا پیار، وہ وعدے، وہ باتیں ــــ وہ سب کچھ کیا تھا۔ ایک ناٹک تھا ــــ"

"ناٹک ــــ"، پروین طنزاً ہنسی ــــ کچھ دیر ہنستی رہی۔ شوکت اس ہنسی سے کانپ اٹھا۔ کچھ کہنے ہی والا تھا۔ کہ پروین لہجہ بدل کر بولی ــــ "اسے ناٹک ہی کہنا چاہیے۔ فرصت کے چند لمحات آباد کرنے کو، ایک ساتھ چائے پینے، پکچر دیکھنے یا باتیں کرنے کو تم محبت نہیں کہہ سکتے۔ رہا شادی کا سوال۔ تو میرا جواب ہے۔ کوئی بھی سمجھدار لڑکی خود ہی اپنے سر پر کلہاڑی نہیں مار سکتی۔ اپنا مستقبل تباہ نہیں کر سکتی۔"

پروین حسین تھی۔

مگر یہ روپ ...... یہ باتیں ...... یہ لہجہ تلخ و بدصورت تھا۔ شوکت کے حلق میں کانٹے سے پڑ گئے ـــــ وہ چاہنے کے باوجود بھی کچھ کہہ نہ سکا جی میں آیا ـــــ اُٹھکے اس مکار لڑکی کا قصہ تمام کرے۔ اسکا گلا گھونٹ دے لیکن وہ ایسا نہیں کرسکا ـــ وہ محض پروین کو دیکھتا رہا ـــ

اور پروین چلی گئی ـــ

آج بھی پروین چلی گئی ـــــ نیا زخم ...... نئی چوٹ دے کر ـــــ مگر آج کی تازہ چوٹ نے ذہن کے تاریک گوشے میں چھپی ہوئی بات کو جیسے زبان دی ... اُسے احساس ہوگیا ـــــ واقعی وہ حقیر ہے۔ نفرت کے قابل ہے۔ پروین جیسی لڑکی کو اپنانے کا خیال اسکے لئے محض ایک خواب ہے۔ اس لئے یار دوست رشتے داروں میں نظریں دوڑائیں ـــ تو لیجئے آپ ڈاکٹر بن گیا ـــــ ہونہہ کلرک ...... اُسے اپنے پیشے سے نفرت ہوگئی۔ ایک عام کلرک کا چہرہ اُسکی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگا۔ سیکنڈ ہینڈ کپڑے پہنے ہوئے بجھا بجھا سا، بیزار چہرہ، دھنسی ہوئی ویران آنکھیں، دل میں خواہشات کا سمندر، کل کی امید پہ جینے والا ـــــ جیسے کل کوئی لاٹری نکلنے والی ہو یہ بھی کوئی زندگی ہے ـــــ اس سے تو بہتر ہے کہ ....؟ وہ مزید کچھ سوچ نہ سکا۔

احساس بے شدت کی صورت اختیار کی گھٹن کا احساس بڑھ گیا مزید تلخ اور گھناونا ہوگیا۔ اسی لمحہ استعفیٰ لکھکر کمرے سے باہر نکل آیا۔

دو دن گھر پر اپنے کمرے میں پڑا سوچتا رہا۔

تیسری صبح ماں نے پوچھا ـــــــ "بیٹا تمہیں دفتر نہیں جانا ہے کیا۔؟"

"ماں میں نے نوکری چھوڑ دی ـــــ"

"نوکری چھوڑ دی ـــــــ" ماں کی آواز ڈوب گئی۔ "کیوں ـــ پھر اس گھر کا کیا ہوگا۔ تمہارا کیا ہوگا۔ تمہارے چھوٹے بہن بھائیوں کا کیا ہوگا۔"

"ماں ـــــــ" شوکت نے دور خلاؤں میں جھانکتے ہوئے جواب دیا ـــــ "تو پھر لعنت ماں ـــ اپنی طرح اپنے بھائیوں کو کلرک بنا کے لیے موت نہیں مرنے دوں گا ـــ !



گُلقنٛد

سیّد یعقوب دِلکش

کاشرٕ گوٚہ لاب کرِ ژنجل طاقچس پیٹھ۔ مدیر سیر ہیرِ وٚسِس دیکچس منز ہٹا ٹُڈہٕ کرِتھ۔

"گوٚہ لاب نہٕ مدیر کتھ کیثُت؟"

"گُل قنٛد خمیرٕ کیثُت۔"

پانٛژ تہٕ تامیے نہٕ گُل قنٛدُک شوقے... اما پوز میانِ گوٚہ لین سیٹھاہ شوق۔

"یتہٕ آیہٕ تُنے" ــ "بٔبیس وُچھتہٕ اچھ ٹمبلان"... وُچھ ہُمِن ہمسایِن کمہٕ رنٛگ برنٛگین وارِ چھہ گُل وُتھ یُتھ نبرٕ کتھٕ ناپس ادیزان۔"

"تتہٕ چھُ پوز ــ مگر تمو چھہ بیہہ وارہ بیرُس کلوان مژہ ـــ ازکیُس کژال ریہ پژھہ ذٕ بہ وارہ تتہ برخُس؟"

سمجھن تہٕ" ـــ "ثمرٕ نُک مُٹ چھہ زیادہ وژان۔"

گرٕ کین ہنٛز کنٛہ کرٕ پکھ۔۔۔۔۔ " قدمن قدمن کرٕتھ اَلو اَسی گَل قندٕ
خاطرٕ وآر۔۔۔۔ تِتھ وآر پیٚہ گل قند تِتھ موٚد آسہِ ـــ زِہ کانُسہِ
ہنز زلو ٹیٹھی نہٕ نانہہ"۔

"تِتھ زٕبر وآر کمِس کرٕ اَلِس ہہموٚ۔ــ شوبہِ وِنی تہٕ لوٚبہٕ ووٚنی ــ
شُراہ اُچھو لیچہِ ژھانڈنہٕ ــــ "

آ ـــ اگر تنی وآر چَل چَل بنہِ ـــ کانٛشری گوہ لاب گژھن ہیوٚکھِتھ ـ
مُدرٕ پرلیس لگن کیٛمی ـ

بیتھ گرٕ میہ کرٕ ایہِ منٛز کُس چھُہ سُہ یمِس نہٕ تِرٕلیشہِ یا پیتھ وٕھُٹن پیٛرِ چھہِ
لگان ـــ زلو پیران پھُٹتھ ـــ وُچھِس نار ہہوان ـ اُچھن نُول
لگان ـــ ۔ سُے یمِس نہٕ گول زرد لیٛشمبین یا پیتھ اکھ پولنہِ
نہٕ چینٛدرس منٛز چھُہ ـــ "

اَز چھُہ لیٛشمبین سکھ یاوُ ـــ گول زرد لیشمہِ وِچھو وِچھو چھُہ
میے ہیوٚ انسان ـــ ہنہِ یدلیہِ وٕٹھ زیوٕ سینی پھشان آسان
وٕھُٹن ننیز پیٛرِ دندٕ سینی ژُلان ـــ " امالوٚد اَسہِ پنٕہ ژھرو سے
آلیس ـ گژ وٕٹھ گژ وٕٹھ چینس ہال کرِ نو ـــ "

یِم لوٚکٕرٕ مٹھرٕ لیٛشمبی کیاہ چھہِ میانہِ تِرٕلیشہِ وُتش دوان ـ
میے دوٚہ تِرٕلیشہِ دوٚد سہِ ـــــ

اکھ لیٛشمی تِرٕلیشہِ گِلاسہ ہمنہٕ ہا چیتھ ـــ کنٛہ دام ـ مگر کمنہِ؟
یہ ماڑوٚ لسُ کرٕ الہ پشرٕ وانہٕ نیٛشہِ ـ ادہٕ کیاہ ـــ لیشمبین وِچھو وِچھو

کۆنٛت ووٚلُس بہٕ — "یِیمِہ ژٕلِش چھِتھ تہٕ مرمٕنٛے —
ژھوٚرُ دِسے آب چھِتھ تہٕ مرہٕ نٮ۪ے"

پتھ کیٛازہ گُکھ ٹو کرِہ منٛز سۭجاوتھ ژٕلیشہِ ہتیٛن ہٕنٛزرہ اُچھ
دٕرٕس لاگان بٕ — کیٛازہ؟ —

اوہ بہٕ ما ووٚلُس کٕرالہِ ہٕنٛدِس دُکانس نِش — آ —
کرالن اوس ججیرہ ہُنٛد ٹلی چہ ڈکہ چھِن گیٹن سیتۍ لوگمُت —
سلام کٔرِتھ تہٕ آو میے ساری سے والنَس پیٹھ نَظَر —

"وآدکَنہٕ — شوبہٕ دِنی تہٕ لوٗبہٕ دِنی — ژرٛاہ اُچھِ لجہٕ ژھانڈنہٕ"
یُڈہ کرال دوٚنہٕ تھوٚد تہٕ المارِہ منٛزٕ واجِن سارٕٔیی وارہ تہٕ
ترٛاوِن میے برونٛہہ کِنہٕ —

"کٕمہٕ دونی گوٚل گوٚل وارہ — رنگ برنگین —
کم نقش — یمبرزٕل پوش تہٕ یاسمن ہُترہ —"

بہٕ ؤچھِتھ ہیٛہ ؤچھِن کرالَس م چھِن پُٹ گنٛڈِتھ —

ہیوٚ کِنہی مزٕ رنگِچ وآر — ووٚزٕل دہانہٕ کٔرِتھ — نہ میوٚ —
ووٚزِج وآر — یاسمن تُقرِہ کٔرِتھ — نہ ہیوٚ وآر — یمبرزٕل چشمہٕ
کٔرِتھ — تیٚتھِ ہیوٚ آنہٕ ہش — یتھ پیٹھ میٚشِن ہتھ چھُ لیوان
بوزنہٕ — تیٚتھِ ساروٕے نہٕ — آ — مگر — میے تہٕ دولتی
چنٛدس منٛز اوسُکھ — ساڑٕ باہ آنہٕ آسی شروعٕ تۍ کران۔
"ؤمن فرض کٔرِتھ اَکو اُسی ترٛٚہ زیُرٕ وآر — شوبہٕ دِنی تہٕ لوبہٕ دِنی —

— گٔژھی کرٕ پکھ۔"

تی چھُ ٹھیک ـــ اماپوٚز — گرٕ فی آسہ تھٕ یمِس کآلسہ ووہ پٔرِس نظر پیٚیہ

مشہ نٲگہِ ـــ " زبرٕ وآر — شوبہِ وٕنی تہٕ لوبہِ وٕنی ـــ شراہ اُچھو لحیہ

زعانڈتہٕ "

الہٕ فآ بہِ پیشیہ میآنی نظر تھٕ وابہِ کُن یوسہِ گہ دہٕ تہٕ ہابہِ منز ولنہٕ آس

آمُژ ـــ تہٕ لیہ لوٚگُس کرٕالس ونُن ـــ

" زٕبہٕ ہتر ہیہ زبرد وآر یوسہِ کوٚلس منز چھہٕ ہاوکھ "

صفید رٔنشہ چیرٕ ہیہ نگنہ سینہٕ ہلو چیرِ لآ گنھ لوٚگ ہیے وابہِ وابہِ وننہِ

" یہٕ تہٕ ہتر چھےٚ تہٕ اصل — پوشہِ لنجہِ کرٕ تھ یہ کشاہ زبرد وآ دیہ

چھےٚ "

تہٕ چھُ ٹھیک ـــ اماپوٚز ـــ

ژنگس تہٕ ڈزٕ آلنُس چھہِ ساری عاشق — مگر ژور زاگہ۔

ونگس رٕوغنس تہٕ پوشن ہُرہِ نرخ — ساڑباہ آنہٕ نالہِ موٚت کرٕتھ۔

اماپوٚز سرٕوٚگے گوہ ودروٚگ ـــ اپُز — دژوٚگے گوہ وسروٚگ۔

وچھن منز سوالہٕ جوابن مُند نیائے ـــ

" چیز چھُ خریدارس پسند کرُن — نہ کہِ دکاندارس یہِ خوش کرہٕ تہٕ دلیس "

ہٕ گنھ بوٚزتھ ووٚتھ کرٕال وارہِ وارہِ گمرس پیٹھ نرہِ تھاوِتھ ـــ تہٕ

حٕلُم اُبن کوٚتہٕ منزہ سووآر بیہن کُن والتھ ـــ

" تہٕ ہتر کنہہ دُچیہ رحاہ دکھ دلو یہ گرد وتھراوس "

ہیے نیوٗ شرارتہٕ سان وُنِتھ — دٕج کتہِ؟ —

تمہٕ نیہ یکدم دستار لوٗنتھ وآلِتھ تہٕ لوٗگ وارٕہ وارٕہ گرٕد وتھراوتہٕ گرٕد وتھر آدِتھ پاسیوٗ ہیے نوٗ وُٕے عالماہ پُشُس زنگس پیٹھ نٕہٕد وآر گیہ میانِس مَنس تہٕ تھٕ ” یہ چھُ اپُز — پوٗز کیاہ چھُ ساڑ باہ آنہٕ “

اُچھٕ وُٹھِتھ کٕر ہیے وارٕ دٕ چھنِ اتھہٕ تھپھ تہٕ لوٗگس کٕر المس موٗل پہ ژھنٕہ ۔ اما پوٗز کنال لوٗگ اچھن منٛز اُچھ ژھنتھ کیاہ نام ونتہٕ — اُچھ لجہٕ کنتھ لوٗزنہٕ —

” یہ چھُ میانہٕ ژٕرچہ منٛز آدِنچ وآر — ہوٗ کھنہٕ موکھ آس ہیے یہ وآر تالِس تہٕ آوہز — یہ اوسُس گمہٕ دٕرامُت — کتیٛ رُودٕہ نانٹھ لآجِن ۔ میانہٕ اتھ وارٕ آس رٕب گژھنس تیار نہٕ یہ وُلس — تتہٕ بیٹھہٕ پرٛسن نام دوت ہیے وارِ مرمت کران — یہ چھس ہناران —

” تہِ ہیے کتھ کٕرِ نِتھ یہ وآر ۔ ہیچ وآر “

ہیے تہٕ وجل بیہ اکتہٕ چندس منٛز ۔ ساڑ باہ آنہٕ کوٗلس منٛز ژور اُچھ گیہ الگ — ” دوہ ژٕ کیا ہُر چھُ دِیُن؟ — کتہِ نہٕ “

” چون دِیُن گو ولس یہ زہ — تہ تھا دکھ یاد “

وآر پھٹ — یہ چھُس — وآر دآر یہ رووُس “

سفید دجہٕ منٛد گنڈ کرِتھ تہٕ ہیے بیٹھس منٛز وآر تہٕ دوٗلس گرٕہ

"دِیہ واٹھ کنِزِ — شوبہٕ وِنی نہٕ لوٗبہٕ وِنی — شراہ اَچھو گییہ سَنِدِ — !"

مےٚ آس تمہِ دوہہ گُل قنٛد بَرِتھ واٹھ — سِتلِہ گنڈِتھ ڈبہٕ مِنٛدرِس ڈَنڈِس تاپَس اوینزان تہٕ آدِرٕ —

ازآس مےٚ بمار دِہن دوہن ہُنٛد آرٕ بوہن واٚچھ ہٕر — اَتہٕ آسی ساٹھی سالس گامتو — نہٕ صِف رانتھ آس — بہٕ گوس مزہ نندِرہ ہوٗد ؤُہتھ — بہٕ ہٹس کنتھ گوو بےٚ شمح ذامتھ وُچھ مےٚ واٚرآس لبِہ پے ہٕر — مگر بیتھ گلقند خمیرِہ گیاہ گتی لوہ گھر گاٹہٕر — پھکہٕ گانٛد — مےٚ پھوٚٹ اوٗش —

"میانِس لولس گیٚی کمہِ چھلِہ تہٕ پھلِہ" بےٚ وارِہ — "میانین لولہِ باغن گیٚی ژوٗن ژُژرٕ بےٚ بیمہِ وارِہ — آ بیمہِ وارِہ — !

ازمہٕ بہٕ یُتھ دارِہ چھلِہ تہٕ پھلِہ کرٕہتھ — مےٚ ہیوٚ یکدم طاقچہٕ پیٹھہٕ مادلوبہ واٚلِتھ — بہٕ اوٚسس دِب تہٕ اولس تیار — کرالہِ سنٛز آواز گییہٕ مادلورِس تھپھ کرٕتھ —

واٚرِ پھُٹ — بہٕ پھُٹس

واٚرآو — بہٕ روُدس"

پھُٹِن کُس پھُٹرِ — راوِن کُس راوِہ — میانی ساریے محنت گییہ ضایع — میانین شوقن — ارمانن — ہدوسن — . . . . . .

بہٕ اوٚسس دِب تہٕ اولس تیار — امالوز شہَجک گاش اوس وارِہ نِنزِوِ تہٕ لو مُنٛزی یہ کنتھ باوان ——— تہٕ واٚر جِھ بَگرٕ

کفن

سیّد یعقوب دلکش

بۆ کتہِ اوُسس، بہٕ کوَت آس؟
ییٚتہِ کیاہ سآری خۄفتہٕ ییٚمتی؟
ہمُسرِ دٕنٛدن ہام لجِٕہٕ، ہمیس اَچھَن زۄن
ہُتھ لال ٹیٚنچہِ سو ییتہِ کیازِ ژُھوکھان؟
بیرِ کُس؟
میاَنِس ییٚتھ بسہِ نے مِتِس کفنَس ڈرسہِ دِوان۔
مَہ لَم ییٚتھ بسہٕ مے مِتِس کفنُس
اَتہِ کیاہ ییرِ اَنہِ
لٕھوٚ دوہہ تہٕ وارہٕ وارہٕ تہٕ لال ٹینس تژاوتھ
ییٚمے تژاوِ ییٚلہِ ــــ
بۆ ژلہِ تۆری ییٚتہِ نہٕ آس ــــ!

ڈاکیہ

غلام نبی شاہد

" زندہ وہ ہے، اُس کی رُوح زندہ ہے جو دُوسروں کے لئے جیتا ہے
—— وہ مر چکا ہے —— اُس کی رُوح مر چکی ہے۔ جو صرف اپنے لئے جیتا ہے"
—— !

—— یہ الفاظ نہ جانے میں نے کہاں سے سُنے تھے ...... یہ الفاظ یاد آتے ہی مجھے اپنا آپ منوں بھاری محسوس ہوتا ہے ..... میں جب بھی خوش ہوتا ہوں یا کسی بات پر ہنس لیتا ہوں تو اچانک یہ الفاظ نشتر کی طرح میرے وجود کو ڈسنے لگتے ہیں۔ اور ماضی کے دریچوں سے ایک دُھندلا عکس رینگتا ہوا میری ساری خوشیوں پر مسلط ہو جاتا ہے۔ جو بچپن سے میرے وجود کو اپنے اندر جذب کئے ہوئے ہے ...... دھندلا عکس رفتہ رفتہ ایک تصویر بن کر مجھے سوالیہ نظروں سے گھورنے لگتا ہے۔ اور میں ماضی کے دریچوں سے گذر کر اپنے مکان کے آنگن میں اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ کھیلتے کھیلتے گھنٹی بجنے کی آواز سنتے ہی دروازہ کھول دیتا ہوں ..... اور میرے سامنے

یہی وہ دھندلا عکس آنکھوں میں کرب چہرے پر پھیکی مسکراہٹ لیئے میرے ہاتھ میں خط تھما دیتا ہے۔

——— وہ گھنٹی بجاتا ہوا چلا جاتا ہے۔۔۔۔ اور میں ٹکٹکی باندھے اُسے دیکھتا رہتا ہوں۔۔۔۔ یہاں تک نہ وہ میری نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔۔۔۔۔۔ ہاں یہ دُھندلا عکس رام لعل کا ہے۔۔۔۔ رام لعل ہمارے محلے کا ڈاکیہ۔ جسکو میں نے بچپن سے آج تک صرف خط بانٹتے ہوئے دیکھا ۔۔۔۔ میں بچہ تھا۔۔۔۔ جوان ہوا ۔۔۔۔۔ دنیا کہاں سے کہاں پہنچی ۔۔۔۔ مگر ۔۔۔۔۔ رام لعل ابھی ڈاکیہ ہے ۔۔۔۔ صرف ڈاکیہ۔۔۔۔

ٹھٹھرتی سردی ہو یا جھلسا دینے والی دھوپ ۔۔۔۔ رام لعل اسی ٹھٹھرتی سردی یا جھلسا دینے والی دھوپ میں مجھے کسی عزیز، دوست یا رشتہ دار کا خط لے کر آتا ہے۔۔۔۔ میں خط لیتے ہی دروازہ بند کر لیتا ہوں ۔۔۔۔ اگر کبھی اتفاقاً میری نظریں رام لعل کے چہرے پر پڑ جاتی ہیں۔۔۔۔ میری نظریں خط کی تحریر پڑھنے کے بجائے رام لعل کی پھیکی مسکراہٹ کے پیچھے ہزاروں پھیکی تحریریں پڑھنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔۔۔۔ جنہیں بچپن سے آج تک میں سمجھنے سے قاصر رہا۔۔۔۔۔۔!

رام لعل کبھیڑ بھری گلیوں میں سے سائیکل گھسیٹتا ہوا ۔۔۔۔ اور دوسرے خط کا نام زبان پہ دہراتے دور دور تک دیتا رہتا ہے۔

۔۔۔۔ اور میں خط پڑھتے ہی خوشی سے پاگل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ خط میرے کسی دوست عزیز۔۔ یا کسی رشتہ دار کا ہوتا ہے ۔۔۔۔ مگر۔۔۔۔!

مگر اس ٹھٹھرتی سردی میں یہ خط میرے پاس کون لے آیا ...؟.. کون ہے وہ جس نے مجھے اپنے ہمدرد ۔ عزیزوں ۔ دوستوں ۔ رشتہ داروں کے دُکھ درد سے آشنا کیا ہے ....؟ ... کون ہے وہ ....؟ ہاں .... رام لعل کے سوا اور کون ہو سکتا ہے ...... ایک ڈاکیہ کے سوا اور کون ہو سکتا ہے ... میں کتنا خود غرض ہوں ... میں ہی نہیں خود غرض ہر وہ ایک ..... جو رام لعل جیسے ڈاکیہ سے خط لے کر کبھی یہ نہیں پوچھتا ..... کیا کوئی تمہارا دوست، عزیز، رشتہ دار کوئی ہمدرد تم سے دور ہے ... اگر ہے .... کیا کوئی ہے جو تمہیں اُن کے دکھ درد سے آشنا کرتا ہے ..... کیا ڈاکیہ ہونے ہوئے بھی تمہیں ڈاکیہ کا انتظار نہیں رہتا .... نہیں ہم سب مر چکے ہیں ..... کیونکہ ہم صرف اپنے لئے جیتے ہیں .... نہیں میں زندہ ہوں ... میری رُوح زندہ ہے ... یہ الفاظ اپنے آپ سے بڑبڑاتے ہی میں نے فیصلہ کر لیا .... اب جب بھی رام لعل ڈاک لے کر آئے گا ..... میں اُس سے ضرور پوچھوں گا ... رام لعل تمہاری پھیکی مسکراہٹ کے پس منظر میں ہزاروں پھیکی تحریریں پوشیدہ ہیں ... کیوں .... ؟ رام لعل کیا کوئی عزیز ۔ دوست ۔ ہمدرد تم سے دُور ہے ... رام لعل تمہارا ایک بیٹا تھا ... جس کو تم نے ڈاکٹری کی تعلیم مکمل کرنے کے لئے ولایت بھیجا تھا ..... وہ واپس نہیں آیا ۔ ... رام لعل تمہیں اُس کے خط کا انتظار نہیں رہتا ..... رام لعل تم ایک ڈاکیہ ہو ۔ زمانہ ہوا تمہیں لوگوں کے دروازوں پر دستک دیتے دیتے ...... رام لعل کیا تمہارے دروازے پر کبھی دستک ہوئی ... کیا تمہیں ڈاکیہ کا انتظار نہیں ......

. . . . کیا کوئی ڈاکیہ تمہیں بیٹے کا خط لے کر آیا . . . نہیں رام لعل . . نہیں . . . تم صرف اُس کی راہ تکتے رہے . . . . . . اُس روز سخت بارش ہو رہی تھی . . میں چائے کی گرم چُسکیاں لے کر ٹھٹھرتی سردی سے بچنے کی ایک ناکام کوشش میں مصروف تھا . . . میں سوچ رہا تھا ۔ میں ناکام کوشش میں مصروف کیوں ہوں . . ؟ . . نہیں . . . شاید اپنے مرے ہوئے وجود کو زندہ رکھنے کی ایک کامیاب ترکیب ہے . . . نہیں میں زندہ ہوں میری روح زندہ یہ الفاظ اپنے آپ سے قدرے اونچا بڑبڑا کر میں نے کمرے کی بڑی کھڑکی کھول دی . . . . بارش کا سُنسناتا ہوا شور میری ساری ناکامیوں پر غالب آگیا . . . بارش کا ہر قطرہ زمین پر پڑتے ہی اپنے پھیلتے وجود کو میری طرح سمیٹنے میں ناکام ہو رہا تھا . . . . لیکن مجھے ہر قطرے کے پس منظر میں زندہ رہنے کی ایک ترکیب نظر آ رہی تھی . . . . . . اور وہ تھی . . . . رام لعل کی . . . . . دھندلی پھیکی مسکراہٹ . . . . !!

اچانک گھنٹی کی آواز نے میری ساری توجہ اپنی طرف مبذول کی . . . . اور کوئی انجانی قوت مجھے کمرے سے باہر لے آئی . . . . "رام لعل" . . . . . یہ نام اپنے آپ سے بڑبڑاتے ہوئے میں نے دروازہ کھول دیا . . . . لیکن یہ دیکھ کر میں وہیں ٹھٹھک گیا . . . . ڈاکیہ ضرور تھا . . . . مگر . . . . . رام لعل نہیں . . . . . . !!



موت کا دیا

مشتاق احمد مشتاق

رات خاموش اور حسین تھی۔

ٹھنڈی ہوائیں کسی دُلہن کے گھونگھٹ کی طرح آہستہ آہستہ سرسرا رہی تھیں۔۔۔۔ چاند۔۔۔۔ پھر لو رچاند دلکش سماں پیدا کئے ہوئے مُسکرا رہا تھا۔ مگر اگلے ہی لمحے یہ سب کچھ بدل گیا۔ رات تاریک اور بدصورت ہو گئی۔ چاند چھپ گیا۔ اُسکی مسکراہٹ سیاہ خوفناک بادلوں نے نوچ لی۔ بلکل اُسی طرح جیسطرح رخسانہ کی مسکراہٹ ہم محلے والوں نے چھین لی تھی۔

محلے کے ہر ایک فرد کو رخسانہ سے نفرت کرنے کا پورا پورا حق تھا۔ بچے، بوڑھے، مرد، عورتیں۔۔۔۔۔ سبھوں نے مل کر اُسکا جینا دشوار کر دیا تھا۔ طنز۔ حقارت اور نفرت۔۔۔۔!!! یہ تین چیزیں اُسکے وجود کا ایک حصّہ بن چکی تھیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے صرف چند سال پہلے وہ کتنی ہر دل عزیز تھی۔ کتنی معصوم تھی۔ کتنی شوخ

تھی۔ ہر کوئی اُسکا گرویدہ تھا۔ وہ ہمارے گھر بھی آتی جاتی تھی۔ میرے ساتھ لڑتی جھگڑتی، خفا ہوتی اور خود ہی مان جاتی۔ لیکن جب کبھی میں اسکا غصہ نہ اُترتا — تو کہتی — تو کیوں مجھے چھیڑتا ہے۔ دیکھ ابھی تجھے پٹوا دوں گی۔ تیری شکایت امی جان سے کر دوں گی — میں مسکرا کر اسکے پیچھے بھاگنے لگتا — وہ انگوٹھا دکھا کر ماں کے کمرے میں چلی جاتی۔ — وہ میری ماں کو امی جان ہی کہتی تھی۔ اُسکی اپنی ماں مرگئی تھی — میری ماں بھی اُسے بہت چاہتی تھی۔ بہت پیار کرتی تھی۔ بالکل اپنے بچوں کی طرح ... مگر۔ وہ دن منحوس تھا۔ عجیب سا تھا۔ میں نے ماں کا دوسرا ہی روپ دیکھا۔ ظالم اور بے رحم روپ۔ وہ روپ جسکا مجھے اور شاید رخسانہ کو بھی گمان تھا۔ اچانک ماں بے حد تلخ لہجے میں رخسانہ سے کہہ اُٹھی — "تم یہاں کیا کرنے آئی ہو۔ تیرا گھر کیا جل گیا ہے آئندہ ہمارے دروازے کی طرف دیکھا بھی۔ تو میں تیری ٹانگیں توڑ دوں گی —"

"مم ... مگر ....." رخسانہ کچھ کہہ نہ سکی۔ آنسو بھری آنکھوں سے میری ماں کو دیکھتی رہی۔ دفعتاً میری ماں نے مجھے حکم دے کر کہا —

"نکالو — اسے باہر۔ ابھی اور ... اسی وقت۔ میں اسکی صورت بھی دیکھنا نہیں چاہتی —"

میں ماں کے غصے سے واقف تھا۔ رخسانہ ... طرف تڑپتے ہی

والا تھا۔ کہ وہ بے بسی سے مجھے تکتے ہوئے واپس اپنے گھر کی طرف چل پڑی۔ یہ۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ تبدیلی۔۔۔۔ ماں کا یہ رویہ۔۔۔۔ کل کا پیار۔۔۔۔ آج کی نفرت۔۔۔۔ یہ حقارت —— یہ سب کچھ کیا ہے۔ ماں نے ایسا کیوں کیا۔ رخسانہ کا قصور کیا ہے —— ؟ میں کچھ سمجھ نہ سکا۔ میں ان دنوں چھوٹا تھا۔ ناسمجھ جو دس برس کا۔۔۔۔۔ اور رخسانہ مکمل جوان —— !

وقت گزرتا گیا۔

میں بڑھتا گیا۔ میرا شعور بالغ ہوتا گیا۔ میں بہت سی باتوں سے باخبر ہو گیا۔ مجھے سمجھا دیا گیا۔ رخسانہ سے نفرت کرنا کیوں ضروری ہے یہ کس جرم کی سزا ہے۔ اُسکا قصور کیا ہے۔ وہ شادی سے پہلے ہی ایک بچے کی ماں بن گئی تھی۔ ناجائز بچے کی ماں —— ہمارا سماج سب کچھ معاف کر سکتا ہے۔ مگر یہ گناہ نہیں —— یہ سنگین شرمناک حرکت نہیں۔ اکثر لوگوں کو یہ شکایت بھی تھی۔ کہ وہ کیوں اُس ذلیل شخص کا نام نہیں بتاتی۔ جنے اُسے داغدار بنایا۔ اُسے برباد کیا —— وہ۔۔۔ وہ ذلیل شخص کون ہے۔ ؟

اسی دوران رخسانہ بیمار ہو گئی

محلے کے مرد، عورتیں، نوجوان۔۔۔۔ غرض سبھوں نے اپنی اپنی

جگہ خوشی کا ڈول پیٹنا شروع کیا ۔ مجھے ایسا محسوس ہوا ۔ جیسے وہ سب رخسانہ کے مرنے کے خواہاں تھے ۔ مر جائے گی ۔ بلا سے چھٹکارا ملے گا ۔ محلہ ناپاکی اور گندگی سے پاک ہوگا ۔ اور شاید سماج کا کوئی خاص مقصد بھی . . . .

رخسانہ کے کردار کو میں بھی حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا ۔ مجھے بھی اُس سے نفرت تھی ۔ مگر نفرت کا مطلب یہ نہ تھا ۔ کہ اُسکا وجود ہی ختم ہو جائے ۔ ایک رخسانہ مرتی —— دُوسری رخسانہ جنم لیتی ۔ یہ آنا جانا آدم کے وقت سے چلتا آیا ہے ۔ نام بدلتے گئے نشان مٹتے گئے ۔ یادیں رہتی گئیں ۔ مگر گناہ —— گناہ کا انداز نہ بدلا ۔ گناہ وہی ہے ۔ گناہ کا آغاز وہی ہے ۔ گناہ کا انجام وہی مگر وہ اور بھیانک ہے اور گناہ کرنے کی انسانی فطرت وہی صدیوں پرانے وحشی درندے کی سی ہے ۔

رخسانہ میری نہیں —— !

البتہ لوگوں نے کہا ۔ موت کے دہانے پر ہے ۔ کل پرسوں تک ضرور مر جائے گی ۔ دوسرے دن میں کالج سے آرہا تھا ۔ بڑی دیر ہوگئی تھی ۔ ہر طرف پُراسرار خاموشی اور بھیانک اندھیرے پھیلے ہوئے تھے ۔ مجھ جیسے کمزور دل انسان کے جذبات اندھیروں میں ہی ابھرتے ہیں ۔ دنیا کے خوف سے جو میں دن کی تابناک روشنی میں نہیں کر سکتا ۔ وہ میں

ـــے اندھیرے میں کیا۔ میں کسی انجانی قوت کے زیر اثر رخسانہ کی جھونپڑی میں داخل ہو گیا۔

لالٹین کی مدھم روشنی میں وہ بیٹھی کچھ گنگنا رہی تھی۔ مجھ پر نظر پڑی۔ چونکے بغیر ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ لئے مجھے گھورنے لگی میرا دل دھڑکنے لگا۔ میں گھبرا سا گیا۔ اور اپنی حالت پر قابو پانے کے لئے میں نے جلدی سے کہا۔

"رخسانہ ۔ ۔ ۔ میں ـــ میں تمہاری خیر و عافیت پوچھنے آیا ہوں۔ کیا حال ہے اب صحت کا ـــ"

"صحت ـــ!" اس نے ہونٹوں کا زاویہ بدل کر طنزاً کہا۔ "تجھے کیا دکھائی دیتا ہے ـــ؟"۔

"مجھے ـــ مجھے اُسکے چہرے پر بیماری یا پریشانی کی کوئی علامت دکھائی نہ دی۔ بھرا بھرا چہرہ، رنگ گلابی نہ بیماروں کی طرح زرد، ہونٹ سوکھے ہوئے۔ مگر تراش خوبصورت اور دو بڑی بڑی آنکھوں میں پُراسرار خاموشی ـــ یہ خاموشی حسین تھی۔ مگر مجھے بدصورت اور بھیانک سی محسوس ہوئی۔ اس خاموشی نے میرے جذبات میری ہمدردی کے احساس کو جیسے بے قرار کیا۔ میں بڑی اپنائیت سے کہہ اٹھا ـــ

"رخسانہ تم نے کیوں اپنی زندگی تباہ کی۔ تمہیں کس کا انتظار ہے

تجھے معلوم نہیں لوگ کیا کہتے ہیں۔"

"مجھے کسی کی پرواہ نہیں" ۔ رخسانہ کا لہجہ ترش ہوگیا ۔۔۔ "تباہی میرا مقدر تھا ۔ میرا مقدر ۔۔۔"

"مگر کیوں ۔۔۔ ؟" میں نے بات کاٹ دی اور سخت لہجے میں کہا۔ "تم ایسا کیوں سوچتی ہو ۔ تم اس ذلیل شخص کا نام اتہ پتہ کیوں نہیں بتاتی ۔ جس نے تمہارا جیون برباد کیا ۔ تمہارا مستقبل داغدار بنایا ۔۔۔ بتاو ۔ بتاو ۔۔۔ وہ ذلیل شخص کون ہے ۔۔ ؟"

رخسانہ کی آنکھوں میں نفرت کے شعلے بھر گئے۔

ٹھنڈی سانس لیکر مجھے گھورنے لگی ۔ پھر بے ساختہ بول اٹھی ۔۔۔

"سننا چاہتے ہو ۔ سنو ۔۔۔ وہ شخص ، وہ کمینہ ۔۔۔ وہ ذلیل انسان تم ہو ۔۔۔ تم ۔۔۔ تم نے مجھے برباد کیا ۔ تم میرے بچے کے باپ ہو ۔۔۔"

"کیا ۔۔۔ ؟" میرے پیروں تلے زمین نکل گئی ۔ ایک لمحہ کے لئے میں سکتے میں آگیا ۔ خوف اور دہشت سے میرا جسم کانپنے لگا تھا۔

"بدمعاش ۔۔۔ مکار عورت پاگل ہوگئی ہے ۔ دیکھو تو کیا کہتی ہے۔ مجھ پر جھوٹی تہمت لگاتی ہے ۔ اگر کسی نے سن لیا ۔۔۔ نہیں ۔ نہیں یہ جھوٹ ہے ۔ مجھ پر جھوٹا الزام ہے ۔۔۔" میں گھبرا کر الٹے پاؤں لوٹنے ہی والا تھا کہ رخسانہ کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی "ٹھہرو" میرے قدم خود بخود رک گئے مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں ایک قدم بھی

آگے نہیں بڑھا سکتا — آگے بڑھا تو دھرتی نہ رہے گی — آسمان نہ رہے گا۔ میں نہ رہوں گا۔ میرا وجود نہ رہے گا — کچھ بھی نہ رہے گا۔ سب کچھ ملیامیٹ ہو گا — جانے یہ کیسی بے بسی تھی۔ میں سمجھ نہ سکا۔ اچانک اس کی ہنسی میرے کانوں میں گونجی —— طنز آمیز ہنسی ——

"تم ڈر گئے۔ میں جانتی ہوں تم سب مرد بزدل اور احمق ہو۔ پھر آتے ہی کیوں یہاں۔ ہمدردی جتانے — میں نے تم جیسے بہت سے ہمدرد دیکھے ہیں۔ مگر نہیں — تمہیں کیا ہمدردی ہے مجھ سے — بولو —؟"

میں کچھ نہ بولا۔

وہ میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے چلا اٹھی —— "چپ کیوں ہو گئے۔ کہو — کیا ہمدردی ہے تجھے —؟"

میں پھر بھی خاموش رہا۔ اس کے سوال کا میرے پاس کوئی جواب نہ تھا میں احمقوں کی طرح اس کا چہرہ تکنے لگا۔ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبنے لگی تھی۔ پھر اچانک اس کے ہونٹ تھرتھرائے — اس نے گمبھیر آواز میں اچانک پوچھا —— "کیا محبت کرنا کوئی پاپ ہے"

"نہ — نہیں ... " میں نے بڑبڑا کر جواب دیا۔ وہ مسکرا دی۔ عجیب سی مسکراہٹ تھی۔ عجیب سا طنز بھرا قہقہہ تھا۔ عجیب سا زہر بھرا لہجہ تھا۔ زندگی میں پہلی بار مجھے اپنی بیچارگی کا احساس ہو رہا تھا اس احساس نے مجھے جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر دیا۔ میں چیخ کر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ

وہ ہنسی۔

"پھر بتاؤ میرا قصور کیا ہے - میں نے بھی تو محبت ہی کی تھی - تم جیسے بھولے بھالے شریف صورت ماسٹر جی سے - وہ سامنے والے سکول میں پڑھانے آتے تھے - مجھے اپنی جان سے زیادہ چاہتے تھے - ایک شام باتوں باتوں میں اس نے کہا —— کل تیار رہنا میں تجھے اپنے گھر لے جاؤں گا - میری ماں اور بہنیں تمہیں دیکھنا چاہتی ہیں -

اگلے دن میں سج دھج کر گھر سے نکلی - ماسٹر جی نے مجھے ایک بوسیدہ مکان میں پہنچا دیا - مگر اس مکان میں نہ تو ماسٹر جی کی بہنیں ہی تھیں اور نہ اسکی ماں مجھے دکھائی دی - مجھے نامعلوم سا خوف محسوس ہونے لگا - میں نے گھبرا کر باہر نکلنے کی کوشش کی مگر ماسٹر جی نے میری تمام کوششوں کو ناکام بنا دیا - مضبوطی سے اپنے بازوؤں میں جکڑ کر میرا منہ بند کر لیا اور اس طرح میں اسکی ہوس کا شکار ہوتے ہوتے بے ہوش ہو گئی - کافی وقت گذرنے کے بعد جب میں ہوش میں آ گئی - تو اس کمرے میں صرف ہم دو نہ تھے "

"اور ——" میں اسکی آنکھوں میں دیکھتا ہوا چیخا —— "اور کون تھا اس کمرے میں —— ؟"

وہ اپنے آنسو پونچھ کر آہستہ سے بولی - "ماسٹر جی کے دوست - ایک نہیں دو نہیں —— بلکہ پانچ دوست —— وہ سب اس گناہ میں شریک تھے - اب تم ہی کہو میرا لال کس کا بیٹا ہے - مجھے لگتا ہے دنیا کے تمام مرد اسکے باپ ہیں - کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی میرے بچے کا باپ ہی نہیں —— !"

کٕنٛزٕ وُنُک

سیّد یعقوب دِلکش

پوشہٕ چنٛیس پیٹھ پھولہٕ لٔگس نیار، کینٛہہ پھولِمٕتۍ — واوہٕ گرٛایو
سیٖتۍ ژھالہٕ ماران

کینٛژو گٲرٕہیوٚکُن گرٕمژ۔ آفتابہٕ کین زٕژن پاران —
کینٛژن حیاتہٕ شرمہٕ سیٖتۍ گٲرٕہچ گامژ — اَڈۍ وٕوہٕ زٕلی، اَڈۍ نیٖد،
تہٕ کینٛہہ سفید — وٕوہٕ زٕلین وٕوہٕ زٕجارس پیٹھ ناز، سفیدن تہٕ زردن پیٹھ نٕس
شُرس نرگس پیٹھ — شبنم پھیری آفتابہٕ چوٚزٕژو سیٖتۍ شب چراغکۍ پاٹھۍ
زوتان — شبنم پھٕرٕ سبز مخملس پیٹھ ہیوٚکھ لٔگس نیار۔ تٕہ آیہٕ لوٚٹ ہیوٚ۔
آفتابہٕ چھُژٕ ژوٚنیس سنگار کوٚرمُت — نٔب مہرازٕ ہیوٚ تہٕ زمین مہرنی ہٕشس
آمژ سجادہٕ۔

زٕوٚن سانین نظرن نِش ژھایہٕ — آفتابس دوٗر، سبحاہ دوٗر
— زٕوٚن اَنہٕ گٹہٕ پیٹھ ژھینین گاش ہیٚو تہٕ مٔنزلس واتہٕ ناوان — تہٕ
آفتاب نیٚنہٕ گاشہٕ سیٖتۍ آرمژ منٛزن دانٕسۍ دِوان

نۄو سے آفتاب — "دہ" — زون "باز" گژھی نہ میثل۔
بلبل دۄپہ چمنس مُدے گنڈتھ وچھان — شاید ازلس فال تھاوان
نہ گل سبز پنہٕ وتھرن مُنہ نقاب ہُتھس پیٹھ تھاوتھ انتظار کی بیتھ گنزرنوان
گُلِ دُپہر پھولمُت ، اَڈی شہلس درعذابس ، لس دپہرکس
انتظارس ، نۄوے افتابس اُچھو پھرِد ہرِد وچھان
اکھ بلبل ساتہ دراَمی جمنس منز امُت۔ غلورخ پاٹھی پوشہ لبخو نلی
گمس سنتھ اچھی تیپتس گندلس منز مس۔
ماچھہ تُلہِ پوشہ ٹۄپہ پتہ ٹۄپہ پھیرتھ خوشی منزی نغمہ گیوان۔ ماچھ
تُلہِ میوٹھ تہ مۄدر رسہ ہٹلی بُرزمرٕ باغوان سبزسروہ گُلس تل ڈۄکھ
دتھ بیھتھ۔ کم موسندس ہُتھس پیٹھ اَسن گینہٕ — "یہ پوشہ شہجارس
گُنےٕ زۄن" — نظرہ میانہ گُلِ دُپہرس پیٹھ — سہ تہ پہ دُپہرکس انتظارس
سُہ خوش۔ یہ دُدان — واکے دُپہرگو ژھ نہٕ یُن ، وَرخ گو ژھ
زیھُن — مگر وَرخ گتہ کمہ انتظار ، دُپہرس گُل وَڈہ اُچھو ، بلبل
کسہ ماتم برپا — ماچھہ تُلہ تُلہِ تۄرس سیٹھہ دود —
سوزپنپر تارہ پین ژھنھ — باغوانس تُھر خم گنڈتھ — پوشہ وُتھرن
پتہ دُھترن نہارآ اتھ — خاموش ماتم گژھتھ تہ پاری چمنس منزپرپا
— نہ آسہٕ آواز — نہ آسہٕ کرنکھ — دَم پھٹی آسن ساری۔
— اکھ کُس سنہٕ ؟
سنہ سُہ لیس یہ دود نہٕ۔ افتاب پتہ — کھِلدن دل تسلی دپہٕ

صُبح پھوٹہٕ بیٛیہ نوٚوۍ گُل پھوٹہٕ لَن ـــــ

واوہٕ ژھٹہٕ سیٛتۍ نظر میاّنۍ گُل دُیہرس پیٹھ ژھینۍ - پوشہٕ وُتھرن تھاّرٕ لجۍ - واوہٕ ژھٹہٕ سیٛتۍ گلین کیٛٹن دِنٛ گیہٕ ـــ واو گوو شور وٚع چمنس وڈنہٕ ماتم - بلبلن گُلس سیٛتۍ نالہٕ موٚت کوٚر ـــ یہٕ گوو نہٕ واو ـــ یہٕ گوو دِگٹہٕ کار - پوشہٕ دیتھر گردِہ منٛز - گُلو لنجہٕ گردِہ منٛز ژرھٹہٕ ژھرٹ کران - سبز بوٚنہٕ پنہٕ دُیتھر لونہٕ سیٛتۍ دُکس ژنجہ دِوان -

ییتھ واوہٕ طوفانس منٛز کُس کیٛہ انتظار؟ ـــ

مگر یمِس یُم سُند امار آسہٕ - سُہ یمن واوہٕ طوفانن کیاہ کھوژہٕ -

کیاسہٕ کُنۍ زوٚن انتظارس - ڈچھنِس اتھس منٛز یمِس کافذ پٕچس پیٹھ ہنرٕ دُکک چھاپ ـــ امۍ سُند دل بے قرار ، زلوہٕ پیٹھ اقرار اچھن منٛز انتظار ـــ دِیٹھاڈٕ پھلہٕ گوو لایکۍ پاٹھۍ درفدالس - کاژر مس اودہٕ پور استقبالہٕ کِس ڈکس سجاوان ـــ

وُنہٕ خاموش - دلہٕ چہ گرِہ دُیت تمۍ ستہٕ لوکک الارم ـــ سو وآژ مس تمہٕ دیک ـــ بالکل ٹھیک ـــ امِس وٹھ لجۍ تھرٕ اچھن پھر سو رخی ـــ ولیح گرہ گیہٕ نیہ ـــ

ادہٕ سو نیٛنۍ ہیٛر زل اتھہٕ دآرتھ ، نیٛنۍ روہٕ پہٕ گردن لوٚہہٕ آوُتھ - کرہٕ نہین چشمن کرہٕ ہنین ٹالہن ہُنٛد پردہٕ تھاوِتھ - پنجرس منٛز اکس حالوہٕ ہنٛدی پاٹھۍ

کرٕہُن مُس کتھٕ ہنٕز ڈپٹس نَل درفذالَس ۔ دٕچھنہِ طرفہٕ لۄہ پہ گرد نہٕ پیچھٕ اکھ سیاہ لکھچُن ، گول اٹےٚ شن کرانگی پاٹھۍ چمکان ۔

یمس کاغذ پرٕچس عاؔرفہٕ سیتۍ میٹ گاٹٕخر ۔ پننہِ کُلک چھاپ مٹا بیوٚ ونہٕ آمُت کاغذ پرٕچس دُکمک نقشہ وۄ ہتہٕ لس سیتۍ ژٕج سو دٕور ۔ سٹھاہ دٕور واوہٕ ژھٹہِ سیتۍ آو گُل کنڈٕین منٕز لاینہٕ ۔ گُل تہٕ بلبلہٕ سُند نالہٕ مۄت گو وژھینہٕ ۔ گُلہٕ سندین ژھٹن پاٹھے وفاٲیی ہنٛزٕ کرٕ بکہٕ ۔ بلبلہٕ ہنٛزن چشمن منٛز اوٚش بکہٕ ۔

گُل بُلبلس ونان ۔ " ژٕہ چُھکھ بُزدِل " ۔ بلبل الکارِس ۔ " ولوس گو ونہٕ خوش سون میٚلُگ ۔ تۄے ژٕہ کنڈٕین منٛز پکٕ کنڈٕین گیتھ کران

وزہ ملونہٕ لگراوکوٚ اتھٕ واس ۔ نبس مہاراز کی جامہٕ آیہٕ ژٹنہِ نبس تہٕ زمینہٕ منٛز باگ اکھ کمہ بہنہِ اوٚ پرٕک دلوار

روٗدہٕ شرانہٕ لجہٕ زمینہٕ مُند سنگاپہ چھلنہٕ ۔ روٗدہٕ بُرٕ روٗدہٕ شرانٕ مُنٛد نقشہ یاوان ۔ چمنکی لوشہِ دٕہرٕ ربہ مُند کفن وٕلتھ ۔

ایہٕ سُریمن روٗدہٕ شرانٕن منٛز دٕہِ دۄہِ تمٕ ہنٛزٕن لوٚت ژھاین سیتۍ کُھتھ کران ۔ سُو دٕیپر نزدیک ۔

ٹلہِ کران وٕرخ ضایہٕ ۔ یمن روٗدہٕ شرانٕن مُند لوٚڈ ہمس پرولےٚ ۔ ٹُل پننہٕ ہنٛز چشمو بیٹھہٕ پاک محبتُک پردہٕ تہٕ دِچھ ۔ ژٕم منٛزلس وانہٕ لَس تیار ۔ ژٕہ سوٚدرس منٛز ولنہٕ آمُت ۔ ژٕہ چھکھ بُزدِل ۔ چانہٕ نادِم کمو نہ گاشہ اتھہٕ لوٚٹ ۔ چانِی ناوِچ احساس تو

سنتی بُرِتھ۔ اتھ ناوِ کُس لدِ لتھ ـــ؟ پھاٹ ناو بہ احساسن ہُنز ناو ۔ ادہ پرِ تھ کانہہ چانہِ ناوہ وَسِہ۔

زنان چھہ سیٚمایک ڈیر ـــ مرد چھہ دزِ وُن نار ۔ یمن دوٚن میلنک انجام چھہ نار تہٕ سور ـــ

تماوِ یمہٕ سارے پرزِ تہٕ تُل پنہٕ تمو دھوٚبِیھِ حیا تہٕ شرمہٕ مُنہٕ پیدہ ۔ وچھ یہ چھہ سوٗرے غلط ـــ سوہ شرم حیا ہٕس کتہ لور ۔؟ تمِس در لج منگ کیاہ ۔؟

اسوہ شاہ مارہ ہشدی پا ٹھو دوہ پیٚن زاگہِ ۔ تمی تہذیبک ژونگ فاتشہٕ سنتی ژھینتہٕ کوٗر ہُت ۔ تمِس تمی سندِس منز فاتشک تہٕ لاچہٕ مُنہٕ ژونگ گیہ تراوان ہرگاہ ژٕ ے تہٕ آسہِ ہیتھ شرم تہٕ حیا ہک نقاب تمی سندِس ژیٚہنِس تُکمُت سنتی ژٕ ے پوٚ نیرِ دِ ہشدی پا ٹھو از کل گنتھ آسہی کران ـــ ژھوپہ۔ کنتِس کالس ـــ؟ روزکھ ژٕ یہ تماشہِ وچھان۔

بہ ژونگ چانہِ ژھو پہ کرِ تہٕ سنتی گژھہِ تہٕ ژھینہٕ ـــ ژٕ یہ ژھینہٕ ہیکیکھ نہٕ کٔرتھ ۔ ہرگاہ دوہ ٹھ لگاکھ اتھ نارس منز ـــ کم گُلے گلنار بنٕ لبنہٕ ـــ کم سوٗنبل ، کم نرگس ، کم ینبر زل وچھکھ تمِس سنتی گنتھ کران ـــ یُہنٕد معصوم ذہن جنتہٕ کین باغن منز سا ر کران۔

نہٕ ـــ بہ کرِ تہٕ ییر ۔ بہٕ یہ نار ژھینتہٕ کرِ ـــ پنہٕ پنہٕ وقتس لن مُنہٕ نقاب گلن لاگہِ ـــ احساسن مُنہٕ ژونگ پرِ تھ کانسہِ ہنٕدِس منٕس منز نالہِ ـــ گلن تہٕ بُلبُلن منز باگ مُچنہٕ ششچھی ادہِ پور وانا وہ ـــ شرمہٕ تہٕ حیا ہک گاش ژھوپاری ہاوِ ـــ ترلشہٕ تہن تہٕ لوچھہِ

ہنین ہنز لو چھہ ژلہِ ماوہ — ژوہ پاڑی پننِس چمنس، خوشی، ہمدردی تہٕ بلہِ ژاڈک سگ دِیہ۔

یمہ گیہ ہیہ پھِٹے کہ بکیہ۔

تمِس جنت۔ ژےٚ جہنم دُنی ہیسے ہنز۔ تمی سِندس کرٕ وس ژاآنگس بدٕلے تیل دٕزان — یمہ کہ گاشہِ سیتہِ ازکل ساری کتابہ پران چاہ نٕژوہِ سیتی ہیکہ تہٕ اکھ حرف تہٕ کاتہہ پرٕنہٕ۔ چالِس کرٕ وس ژاآنگس دُم گاژر۔ تمی سُند ژونگ پیٚیر نہٕ آموٚت —

اپُز — یہ چھُ اپُز۔

تناو تمن دوہن پوٚت ژھاین پیٹھ نظر۔ ژےٚ روٚدہ سیتہ ساری سے پانس لیُتھ گومت — ادہ شو

تمِس شانہ پیٹھ کمہ ہُنن کوٹ بیتھ پیٹھ تمی شُند کھوٗر اتھہ — چھُٹرہ مُہند سایہ تمی سِندس گلس پیٹھ۔ یُسی سندِس اتھس ہنز — !

نوٹ:

باذوق قارئین سے ہماری بہ مخلصانہ التجا ہے کہ وہ اپنی قیمتی رائے سے ہمیں نوازیں —

★ مشتاق احمد [illegible] ٹینگ رعنا واری سرینگر)

★ غلام نبی شاهد (تاج آرٹ خانیار سرینگر)

★ [illegible] یعقوب [illegible] (شنگری محلہ [illegible] سرینگر)

لوٹ پیاسی

غلام نبی شاھد

اتوار کی ایک شام تھی۔ میں جھیل کے کنارے ایک بجلی کے کھمبے سے سے ٹیک لگا بیٹھے نہ جانے کن خیالوں میں مگن تھا۔ ماحول پر پورا سکوت چھایا ہوا تھا کبھی کبھار کسی جنجل پر ندے کی شوخ چہچہاہٹ اس سکوت کو توڑتی ہوئی جھیل کی گہرائی میں نہ جانے کہاں کھو جاتی تھی۔؟ .... میں خود کو خیالات کی اس روح افزا منظر میں ڈبونا چاہتا تھا... جہاں ماضی اپنے خوفناک پر پھیلائے سائے کی طرح میرے ساتھ نہ ہوتا۔ ہاں میں ایسی ہی چند ساعتوں کے لئے برسوں بھٹکتا رہا، جہاں میرا ماضی مر جاتا، اور میں ہی زندہ رہتا۔ دفعتاً ایک سوکھی مردہ سی معصوم آواز نے سارے سکوت کو ایک بار پھر توڑا میں نے مڑ کر دیکھا۔ وہی دو بڑی معصوم آنکھیں ویرانی لیے میرے سامنے تھیں۔

"پالش صاحب"

"نہیں" میں نے حقارت سے جواب دیا ـــــ وہ کندھے اچکاتے ہوئے چلا گیا۔ اُس کی بڑی بڑی معصوم آنکھیں بہت دیر تک میرے تصور کے گرد گھومتی رہیں ـــــ نہ جانے ان آنکھوں میں کیا تھا ـــــ!

. . . . . . وہ میرے آفس کے بیرونی گیٹ سے باہر پار والی سڑک کے نکڑ پہ صبح سے شام تک لوگوں کے جوتے پالش کیا کرتا ہے۔ میں پچھلے دو سال سے اُسے وہی دیکھتا آرہا ہوں . . . . . اُس کا معصوم چہرہ دیکھ کر مجھے اُس کے وجود پر ترس آتا ہے . . . کئی بار سوچا اُس سے پوچھوں . . . . تجھے تو کسی اچھے سکول زیرِ تعلیم ہونا چاہیے تھا۔ . . . ؟ تو یہ . . . لیکن نہیں مجھے اُس سے کوئی ہمدردی نہیں . . . . کہاں وہ گندی نالی کا کیڑا اور کہاں میں . . . . . یہ الفاظ اپنے آپ سے قدرے اونچا بڑبڑاتے ہوئے میں نے خود کو تسلی دی . . . . لیکن دل کے کسی گوشے میں چھپی وہی بڑی بڑی معصوم آنکھیں ویرانی لیے میرے جگر کو کاٹ رہی تھیں۔ "نہ جانے کیوں" ——؟

گھر آکر مجھے اپنا آپ ایک انجانے بوجھ تلے دبا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ جسم کا ڈھوال ڈھوال تھکن، گھٹن، اور نہ جانے کن کن غیر فطری خیالوں سے چور چور ہو رہا تھا —— اچانک دروازہ کھلا۔ اور عیدل ایک زرد لفافہ لیے کمرے میں داخل ہوا "آپ کا خط" یہ کہتے ہوئے اُس نے لفافہ میرے ہاتھ میں تھما دیا —— عیدل چلا گیا اور میری نظریں خط کے اوپر دائیں طرف سرخ روشنائی سے لکھے گئے ایک نام "نجمہ" پہ جم کر رہ گئیں . . . . . . نجمہ . . میری ایک محسن . . . میری ایک ہمدرد . . ایک عورت . . . . نجمہ . . . !

—— میری آنکھیں بند تھیں۔ تصور میں قوس کے سات رنگ بکھرے

پٹے تھے۔ اور ہر رنگ "الجھن" کی پرشفقت مسکراہٹ لیے میرے وجود کو ڈس رہا تھا ـــــ میرے ہاتھ نہ چاہتے ہوئے بھی خط کھولنے لگے ایسے ہی جیسے ایک اندھا چلتے چلتے اپنی چھڑی سے راہ ٹٹولتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں نے آنکھیں کھولی سرخ روشنائی سے واقعی ایک خط میرے ہاتھ میں تھا ـــــ

ـــــ شاہد ۔ یہ خط میں نے تمہیں ضرور لکھا ہے ۔ ۔ ۔ لیکن یقین کرو یہ سوچ کر نہیں کہ تم اس سے پڑھو بلکہ تمہارے اندر اس شاہد کے نام ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جسے میرے سوا شاید ہی کوئی جانتا ہو ـــــ میں اس وقت شہر کے بڑے سینی ٹوریم کے ایک وارڈ میں مقید اپنی آخری سانس اس خط میں دفن کر رہی ہوں ـــــ برسوں سے دل پر ایک بوجھ سا محسوس ہو رہا تھا، رونے کی بہت کوشش کی، آنسوؤں نے ساتھ نہ دیا ـــــ بوجھ بڑھتے بڑھتے ایک درد بن گیا ـــــ جس میں تمہارا دیا ہوا زہر بھرا ہوا ہے ۔ شاہد تم مجھے کیسے بھولے جب کہ مرتے مرتے میری زبان پر تمہارا ہی نام ہے ـــــ شاہد میں نے تمہیں بہت کچھ دیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بہت کچھ ۔ ۔ ۔ ۔ تم نے کیا دیا ۔ ۔ ۔ دکھ ۔ ۔ ۔ درد ۔ ۔ ۔ ذلت ۔ ۔ ۔ رسوائی ۔ ۔ ۔ اور تم دے بھی کیا سکتے تھے ۔ ۔ ۔ مرد ہو نا ۔ ۔ ! !

ـــــ شاہد وہ دن یاد ہے جب ہماری پہلی ملاقات ہوئی تھی ۔ تم بس سٹاپ سے قریب ہی ایک لوہے کے جنگلے سے ٹیک لگائے خلاؤں میں نہ جانے کیا ڈھونڈ رہے تھے ـــــ میں اپنی سدھ بدھ کھو کر نہ جانے کیوں تمہیں تکنے لگی ۔ ۔ ۔ ۔ تمہارا فوٹو کچھ دن پہلے ایک رسالے میں

چھپا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تمہارا ایک افسانہ بھی شایع ہوا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ جس کا عنوان آج بھی مجھے یاد ہے "فریبی" تھا نا ۔۔؟ سب مجھے تمہارا افسانہ بہت پسند آیا ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن یقین کرو شاہد! اگر مجھے معلوم ہوتا اُس افسانے کا مرکزی کردار "فریبی" تم ہی ہو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں تمہیں تھوکتی بھی نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں نے اپنی کتاب تمہارے نزدیک کر کے تمہیں اپنی طرف متوجہ کر لیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تمہارے چہرے کی ساری سرخی، آنکھوں کی معصومیت نہ جانے کہاں غایب ہو گئی ۔ ۔ ۔ ۔ ! تمہاری پیشانی پر پسینے کے قطرے چھوٹنے لگے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ شاہد! تمہاری یہ معصوم ادا مجھے بہت بھا گئی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تم نے کانپتے ہاتھوں سے کتاب اُٹھا کر میری طرف بڑھا دی ۔ ۔ ۔ میں نے کتاب لے کر تمہاری طرف دیکھا ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن جلدی ہی تم نے نظریں نیچے کیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ معصوم تھے نا ۔ ۔ ۔ !

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دوسرے دن کالج سے نکلتے ہی میں نے تمہیں اپنا منتظر پایا ۔ ۔ ۔ ۔ اور شاہد! ہم دونوں ایک ایسی ان دیکھی ڈور سے بندھ گئے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جسے صرف محسوس کیا جاتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ دیکھا نہیں جاتا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میرے دل میں تمہارے لیے شفقت تھی ۔ ۔ ۔ ۔ پیار تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ایک مقدس عقیدت تھی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تمہارے دل میں کیا تھا ۔ ۔ ۔ ؟ ——

—— وقت گذرتا گیا دو سال کے طویل عرصے میں ہم ایک دوسرے کے قریب آ گئے تھے ۔ ۔ ۔ ۔ تم ہر دوسرے تیسرے دن اپنا کوئی افسانہ لکھ کر لاتے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تمہاری تحریر دیکھ کر مجھے عجیب سا سکون ملتا ۔

تھا...... میری انا کو تسکین ملتی تھی......... اُٹھتے بیٹھتے...
سوتے — جاگتے - میرے تصور میں صرف تمہارے ہی افسانوی کردار
گھومتے رہتے تھے.....!!

—— شاہد! میں نے تمہیں لکھنے کے ایک نئے انداز سے
روشناس کیا...... تمہارا ہر افسانہ تخیل پر مبنی ہوتا تھا.... لیکن
میں نے تمہیں زندگی کی اُن ٹھوس حقیقتوں سے آشنا کیا - جن کی
عکاسی کرنے سے تمہارا قلم قاصر تھا...... پھر آئے دن تمہارا کوئی
نہ کوئی افسانہ چھپا ہی رہتا تھا... چند ہی دنوں میں تمہارا نام شہر
کے سر فہرست کے افسانہ نگاروں میں ہونے لگا.... اور ساتھ
ہی ساتھ تمہارا شوقِ آتش بھی بڑھتا گیا... پھر اچانک تم تین
مہینے غائب رہے..... میں نے تمہیں ہر جگہ ڈھونڈا.... لیکن
بے سود... تین مہینے کے بعد تمہارا مرجھایا ہوا چہرہ...... دھنسی
ہوئی آنکھیں دیکھ کر میرے دل میں اک ہوک سی اُٹھی.... تمہارے
ہاتھوں میں کوئی کتاب تھی.... جسے دیکھتے ہی میرے دل کی عمیق
گہرائیوں سے ایک ہلکی، میٹھی - پُرسکون لہر اُٹھی کہ تمہارے مُرجھائے ہوئے
چہرے پر پھیل گئی...... وہ تمہارا ناول تھا.... جس کو تم نے
خون کے قطروں سے لکھا تھا.... لیکن کوئی پبلشر چھاپنے کے لئے
تیار نہ ہوا.... تم نے بہت کوشش کی - لیکن ہر جگہ ناکام ہوئے
... تم ٹی - بی کے مریض کی طرح زرد پڑنے جا رہے تھے

. . . . تمہاری یہ حالت دیکھکر مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے وہ زیور جو ماں نے مرتے وقت یہ کہہ کر دیئے تھے "بیٹی انہیں رکھ لو وقت پر کام آئینگے" بیچ ڈالے . . . صرف تمہارے زرد چہرے پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ دیکھنے کے لئے . . . !

وہ دسمبر کی ایک ٹھٹھرتی رات تھی . . . . میں اپنے کمرے میں سونے کی ناکام کوشش میں مصروف تھی . . . . اچانک دروازے پر دستک ہوئی . . . میں گھبرا گئی . . . . اتنی رات گئے کون ہو سکتا ہے — ؟ لیکن جلد ہی تمہارا دھندلا عکس تصور کے پردوں کی اوٹ سے جھلکنے لگا — اور میں فرطِ مسرت سے دروازے کی طرف بھاگی — کیونکہ اُس دن تمہارا ناول چھپ کر آنے والا تھا — دروازہ کھولتے ہی تمہارا پرسکون چہرہ دیکھ کر مجھے میرے زیور واپس مل گئے . . . . تمہارے ہاتھوں میں ناول تھا . . . . تمہاری صرف تخلیق تھی . . . . میری تو ماں تھی . . . . تم سردی سے ٹھٹھرتے رہے تھے ۔ میں نے تمہیں آتش دان کے قریب ہی ایک کرسی پر بٹھا دیا میں نے کئی بار ناول الٹ پلٹ کر دیکھا . . . . میں بہت خوش تھی . . . میری آنکھوں میں آنسو تھے . . . . خوشی کے . . . . تمہارا چہرہ بھی کھلا ہوا تھا . . . . اور پھر نہ جانے کیا ہوا — ! تمہارا کھلا ہوا چہرہ . . . . کسی پتھر کی طرح کالا ہوتا گیا . . . . تمہاری آنکھوں میں معصومیت کے بجائے ہوس کا رنگ اُترنے لگا . . . . اچانک ایک

ایک زبردست زلزلہ آیا .... زمین پھٹ گئی .... آسمان تھر تھرا گیا .... تم نے ہمدردی کا لبادہ پھاڑ دیا اور ایک —— وحشی درندے کی طرح مجھ پر جھپٹ پڑے ..... میرا ذہن ماوف ہو چکا تھا ...... وہ سمجھنے ..... سننے ..... دیکھنے کی قوت کھو چکا تھا ..... پھر جب مجھے ہوش آیا —— زمین پھٹ نہ گئی تھی ..... آسمان تھر تھرا نہ اٹھا تھا .... صرف چند لمحوں کے لئے آکاش کی گہری وسعتوں میں ایک ہلکا سا ارتعاش پیدا ہو گیا تھا ، ایک معصوم پھول شبنم کے بجائے اوس کے قطروں سے مرجھا چکا تھا —— جو خوبصورت ہوتے ہوئے بھی اپنی خوشبو لٹا چکا تھا ...... شاید نہ جانے کتنے دنوں میں اسی کمرے میں روتی رہی .... کوئی ہمدرد نہ تھا جو شریک غم بنتا ہے۔ صرف تم تھے .... لیکن تم بہت آگے جا چکے تھے .... ہر طرف تمہاری تخلیق کے چرچے تھے ..... میں بہت خوش تھی ..... اسلئے نہیں کہ وہ تمہارا ناول تھا ... تمہاری تخلیق تھی .... اسلئے کہ وہ میری ماں تھی ... ! —— شاید اس دنیا میں میرا کوئی نہ تھا ... اگر تھا بھی اپنا وجود جیسے ایک ہمدرد کی ضرورت تھی .... تم ہمدردی کا لبادہ اوڑھ کر بھی مجھ سے دور بہت دور رہے .... میں ٹیوشن سے اپنی تعلیم پوری کر رہی تھی .... جو پوری نہ ہوئی .... شاید میری ہر آہ ہر سانس ایک افسانہ تھی .... لیکن تم نے کبھی میری آہوں کو سمیٹ کر کاغذ کے گوشوں میں بند نہ کیا ...... شاید قدرت کا یہ عجیب مذاق ہے .... جس کام کو تم میرے قریب رہ کر نہ کر سکے

. . . . . وہ کلام میں اُس وقت کر رہی ہوں - جب موت اپنا جبڑا کھولے اس خط کے اختتام کا انتظار کر رہی ہے -

شاہد میری زندگی کی ہر آہ . . . . ہر سانس پیاسی رہی . . . اسلئے میں نے اُن آہوں کو اس خط میں سمیٹ کر ایک عنوان دیا ہے " بوند بوند پیاسی "

——— مجھے یقین ہے یہ خط پڑھتے ہی تم اپنے آپ سے نفرت کرنے لگو گے . . . . یا خودکشی کرو گے . . . . لیکن نہیں . . . . تمہیں جینا ہے . . . جی جی کے مرنا ہے . . . . مر مر کے جینا . . . بِسکنا ہے . . رونا ہے . . . . تڑپنا ہے . . . . دیواروں سے سر پھوڑنا ہے . . . اور جب تمہیں تسلی نہ ہو تو . . . .

اپنے آفس کے بیرونی گیٹ سے باہر بازو والی سڑک کے نکڑ پر اُس معصوم لڑکے کو دیکھا کرو جو صبح سے شام تک لوگوں کے جوتے پالش کیا کرتا ہے ———!!



امر

سیّد یعقوب دلکش

"اَ چھہ حرفن مُنڈ گوڈ، لفظن مُنٛد اند ——" "اَ چھہ اکھ سیٚنزرٕ ٲکھ، اکھ پرکھاو تہٕ پیٚچ ٲکھ، بلکہِ حرفن مُنٛد اکھ ناز، اکھ دفہ جوٗد —— اکھ سیٚنزرہ ٹھ یمیٚچ ہرگاہ بیاکھ دولہٕ سیٚنزرکھ پیٚشہِ، سُہ گوو زیٚب —— زیٚب گوو اسلس پیٚٹھ غلطی مُنٛد اکھ نشانہٕ، اکھ ہیٚچ وتہٕ، اکھ گٔمژ زهارے اکھ ہٕوٗل نقشہ، اکھ دهوکہٕ "اَ" الفس پیٚٹھ "سہ" لاگو تہٕ تماشاہ نوی لفظ چھہ نوی زٲوان، نوہٕ سرہٕ کلہٕ کڈان —— تہٕ نوی لفظ چھہ نوین کتابن اکھ نوٚ شکل دِوان ——

"تیلہ گژھیا اَلِف زٲوتھ یا زٲلتھ.... ؟"

"اَ گوو دراوتھ، حرف گیٚژ زٲوتھ تہٕ لفظ گیٚژ زٲوتھ ——

سوٗزی گوو زٲوتھ ——"

"اَف یہ بٔٹس کتھ گوو —؟"

"دتہٕ یتھ اَسیہٕ پَت بانہٕ گوو پھیٚٹتھ"

"یہ کینژھ رٕچھ ــــ!؟"

"ہیانہٕ زندگی مُہند اکھ نٔشہ، اکھ گوٗل، اکھ دام، اکھ گروٚھٹ ــــ"
"مگر ــ آدم خون چیتھ چھُہ اکھ انسان آدم خوٚنیان۔"

"ــ ایُنٛز ــــ سوروئی اپنٛز۔"

"تہٕ آدم نحوٚرس چھہِ سارٮ۪ی کھوژان ــ کھوژان کیاہ ــ؟ دِے کران"
کینژِس وقتس ــ"

"اڑ ــــ وقتہٕ برون نیے چھہِ تمس نٕ لکل کران۔"

"تٕہ گوو تمِس ـ پیُس کرٕ بکھ دیہ، تمنہٕ انہٕ گٹہٕ کُھہٕ منٛز نیر نیرہ ــــ
تو بینہٕ چھہ پنن پات ــــ سارٮ۪ی ژرہ نندرہ ــــ"

"پس ــــ اُف ــــ!"

اکھ گووٚل، اکھ دام، بیاکھ گروٚھٹ ــــ ژھوپہ کیازہ کرِتھ ــ؟
ژیے کیازہ پیوروی سارٮ۪ی سے پانس زخ ــــ؟ نیرِ نپہ کرِو وُن
اظہار کیازہ گوو سفید گچھک پاٹھو لگِتھ ــ؟

"ا" چھُہ "م" میمک وجود "م" میمہ کلہِ ژُنٹھ چھُہ اَلِف
سبزرِ نہٕ ہیچھِ شکلِہ منٛز لبنہٕ یوان ـ اتھ شکلِہ منٛز چھُہ "ا" "م" میمس
ضیچہ کرِتھ "م" میمہ کلہِ چھُہ اکھ آفتاب ـ اکھ پرینلووُن آفتاب
ہرگاہ نہٕ اتھ اپنٛج سیچھ آسہٕ ــ آفتاب گژھہ پیٹلہِ ــ سارٮ۪ی آئینات
گژھہ ژُنٛتھ ــــ

"م" "یہاں وشن تاب ؟"

اندہ گیاہ ـ کابینا پتھی لوبہ دِنی تہٕ پرنہٕ لہٕ دِنی شوب اکو لود ـــ مگر یم ...

... یم کوشہ کرٕ یکہ ـــ ینہٕ منٛز ملس منز ـــ ! ؟

پتھین واتن مُند وٕنُدر

"مۄنُد کرٕ یہ مُچھ ینہٕ شورس آمیب سکونس مٹاوان ـ"

"سکونس نہٕ مٹاوان ـ بلکہ ضمیرکس مُنز ملس زیر دنہٕ بنیٛہ ناو پتہٕ کٲد پنجی کوشش کران ـ"

"یُن ودجُود پرکھاونہٕ چھُ انسانس یُن یان دوانک خطرہ آسان ـ

"یُن پان راوہ رادی تھی پیچھ انسانس مُنز پلچ تہای درینٛھی گژھان"

"مگر ـــ یہ ـــ یہ منٛز لیک شور کر ینٛد ـ" "یہ تھوہ ـ تٔژہ نہٕ بند ـ"

"شیے تگہٕ یہٕ شور ینٛتھ آ ژھنزہ گرکہٕ منٛز دفن کرٕن ـ دچھ بیانی یم نہٕ اتھہ کیٛتھ کنٛی کرن یہٕ شور ینٛد ـــ آ ـــ دیجیہ تہٕ ـــ نمے کیانہ گمی ژھوہ یہ اصل ـــ ژھوپے چھہ یشون سکون ـــ !

"ح"

"ا" "ژھنٛڈ چھُ "ح" ژندرچہ شکلہٕ منٛز لبنہٕ یوان ـ تہٕ اتھو ژندرچہ شکلہٕ منٛز یاگ زہٕ تارک، گاشہٕ تارک، گرٕ منٛز لبنہٕ یوان ـ ژندرچہ کیو چھہٕ منٛز تارکن مُہندگینہٕ بلشہٕ کرن کُس بچھ کران ہے حلہ ! ـ

تیل بس بیٹھ انہٕ گرکہٕ منز امہٕ لولہٕ منٛزیلٕی یہ گراہی ـــ بیٹھ یاسقے تارکن مُہندس استقبال سہ ہینہ تہٕ مُہند اکہ ویٛدہ اکہ وقتہ ـــ

"مہ لیکھ ہیم اَفسانہ"

"کیشانزہ"؟

"ژٕ چھکھو سوٗرے اپٕز لیکھان۔ کرہٕنس زٕنگس سفید رنگ گمران۔ نہ گوڈ کُنہٕ۔ نہ اَند"

پنٕدلوزٕنہٕ چھہٕ قلمچ زلو اپٕز لیکھنس پیٹھ مجبور گرتھان۔

"زٕھن پنٕدرکہٕ قلمچ اپٕز زلو ژٹھتھ؟"

"نہ بہٕ ہیکن نہ یہٕ زلو ژٹھتھ۔۔۔ آ۔۔۔ یہٕ ہیکن نہٕ پنٕدرکہ قلمچ اپٕز زلو ژٹھتھ۔۔۔ آ۔۔۔

مگر کتھہٕ کٔنی۔۔؟

......!

نشہ اور ٹھوکر

مشتاق احمد مشتاق

رات بھیگ رہی تھی ـــــ

مسز رحمان کی کوٹھی کا وسیع ہال مہمانوں سے جگمگا رہا تھا۔ یہ جگمگاہٹ رنگین لباسوں کی تھی۔ فلک شگاف قہقہوں کی تھی۔ رقص و سرود کی تھی ــ بھرے جاموں کی تھی ـــــ ڈنر کے بعد رقص کے شائقین آرکسٹرا کی مدہم سروں پر تھرکنے لگے۔ کچھ مہمان پینے لگے۔ اور کچھ پی کر لڑکھڑانے لگے تھے۔ جہانگیر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مسز رحمان کی فرم کا مینیجر دو پیگ چڑھا چکا تھا۔ تیسری پیگ کی لہر میں وہ اچانک اپنی میز سے کھڑا ہوا۔ اور جھومتا گھومتا سامنے والی میز کے قریب جاکر بیٹھے نوجوان سے مخاطب ہوکر بولا۔

"ہیلو ڈاکٹر ـــــ"

"ہیلو ـــــ" ڈاکٹر اسلم نے بے دلی سے جواب دیا۔ جیسے جہانگیر کا اس طرح پکارنا اُسے پسند نہ آیا ہو۔ کچھ دیر خاموشی رہی۔ اتنے میں سرو (SERVE.) کرنے والے ملازم نے جہانگیر کے اشارے پر

ٹیبل پر وسکی، سوڈا اور دو عدد گلاس رکھ دئے۔ جہانگیر نے دو جام بنائے۔ ایک جام ڈاکٹر اسلم کی طرف سرکاتے ہوئے کہا۔

"مسز رحمان بڑی زندہ دل عورت ہے۔ جی چاہتا ہے۔ روز اُسکی سالگرہ ہوا کرے۔ اور میں جام بھرتا رہوں۔ خیر لیجئے —— یہ جام نوش کیجئے"

"شکریہ میں پیتا نہیں"

"کیا کہا ——" جہانگیر نے بے اعتباری سے پلکیں جھپکیں۔ اور ایک ہی گھونٹ میں آدھی گلاس حلق سے نیچے اتار کر ہونٹ پونچھتا ہوا بولا۔

"مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے"

"کیوں —— ؟" ڈاکٹر اسکی حیرانگی پر مسکرایا —— "کیا میں نے کوئی انہونی سی بات کی ——"

"انہونی تو نہیں ——" جہانگیر جلدی سے بول اُٹھا —— "پھر بھی مجھے یقین نہیں آتا —— جیسے شخص ... ہی ایک دن بھی شراب پئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ وہ تو دیتا ... مطلب ..... بات کچھ عجیب سی ہے ——" کہتے ہوئے وہ بے ساختہ ہنس پڑا۔ دیر تک ہنستا رہا۔ ہنسی تلخ اور طنز آمیز تھی۔ بھیانک اور مکروہ تھی —— خون کھول دینے والی ہنسی تھی —— اسلم کے جی میں آیا۔ جہانگیر کا منہ نوچ لے۔ اس ہنسی کا گلا گھونٹ دے۔ مگر کیسے —— ؟ ہستی انسان

کا پیدائشی حق ہے۔ وہ کس کس کو ہنسنے سے باز رکھ سکتا تھا۔ کس کس کا گلا گھونٹ سکتا ہے۔ کس کس کا منہ بند کر سکتا تھا۔ کسی ایک کا بھی نہیں مگر۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ؟ سوچیں طویل ہوتی جا رہی تھیں۔ سوچوں میں گھٹن تھی۔ بدصورت اور گھناونا احساس تھا۔ ڈاکٹری نکتہ نگاہ کو سامنے رکھتے ہوئے اس نے زیادہ سوچنا مناسب سمجھا۔ اپنا دھیان، اپنی سوچیں منتشر کرنے کے لئے بھرپور نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

جہانگیر اُٹھ کے چلا گیا تھا۔

مہمان بدستور خوشی میں ڈوبے قہقہے لگا رہے تھے۔ پی رہے تھے۔ باتیں کر رہے تھے اور رقص ——— رقص کرنے والے رقص نہیں۔ رقص کے تمام برجستہ جذبوں کو سہلا رہے تھے۔ اسکی بیوی کا پاٹنر بیس اکیس سال کا ایک سجیلا خوبرو نوجوان منظور تھا۔ منظور بار بار زرینہ کی گردن کے بڑے سے تل کو چومنے کی جدوجہد کر رہا تھا۔ اور زرینہ نوجوان کی اس حرکت پر محض مسکرا کر گردن جھٹک دیتی تھی۔ یہ ادا خوبصورت تھی۔ یہ رقص خوبصورت تھا۔

یہ منظر خوبصورت تھا۔

رات، ماحول اور محفل خوبصورت تھی لیکن اسلم کے لئے یہ کچھ نہ تھی وہ بار بار بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا۔ پھر دوسرے لمحے کھڑکی کے قریب آ گیا۔ تاروں بھری چاندنی رات شوخ دوشیزہ کی طرح مسکرا رہی

تھی۔ مگر اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے رات مُسکرا رہی ہو۔ سسک رہی ہے چاند کِھلا نہیں بلکہ اسکی پیلی پیلی روشنی سولی پر چڑھے ہوئے انسان کی آنکھوں وہ ڈوبتی کانپتی چمک ہے جس سے وہ اگلے ہی لمحے محروم ہونے والا ہے — جیسے کہ ۔۔۔۔۔!! یکبارگی اُس کی سوچوں میں ارتعاش سا پیدا ہوگیا۔ اُسکی آنکھیں ماضی کے دھندلکے میں ڈوب گئیں۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔

"سیٹھ احسن کو جانتے ہو اسلم — وہ اپنی بیٹی کا رشتہ مانگنے آئے تھے"۔

"کیا —" اسلم نے بے اعتباری سے کہا — "یہ کیسے ممکن ہے کہاں وہ شہر کے رئیس اور کہاں ہم۔ مجھے تو ۔۔۔۔"

"تم بیوقوف ہو —" بوڑھا باپ اپنی بے نور چھوٹی چھوٹی آنکھیں موند کر بولا — "وہ اگر سیٹھ ہے تو ہم کیا کم ہیں۔ مانا غریب ہیں۔ لیکن تم اب ڈاکٹر بن گئے ہو۔ تمہاری عزت ہے۔ تمہاری قیمت ہے۔ جانتے ہو۔ جہیز کیا ملے گا — ایک لاکھ روپیہ نقد۔۔ ۔۔۔۔ کار ۔۔۔ اور ساتھ میں کوٹھی —"

اسلم کی آنکھیں ایک لمحہ کے لئے چندھیا سی گئیں۔

کوٹھی ۔۔۔۔ کار ۔۔۔۔ اور روپیہ — سوسائٹی میں ایک خاص مقام پانے کا ذریعہ۔ آخر کس لالچ میں سیٹھ احسن اتنا جہیز اور لڑکی دے رہا ہے۔ لڑکی تو ٹھیک ہے۔ لنگڑی تو نہیں۔ کانی تو نہیں

کوئی ایسی ویسی بات تو نہیں۔

"ابا جان وہ لڑکی . . . . . "

بوڑھے کی آنکھیں چمک اُٹھیں۔مسرت آمیز لہجے میں بولا —— "میں نے دیکھی ہے۔ اپسرا ہے اپسرا —— کلنج میں پڑھتی ہے۔ پرسوں خود اُسے دیکھنا تم۔"

سیٹھ احسن کی بیٹی واقعی اپسرا تھی۔ ڈاکٹر اسلم نے اُسے دیکھتے ہی حامی بھرلی۔ زینہ نے بھی اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا۔ اور بات پکی ہوگئی شادی کے اگلے ہی روز وہ ہنی مون منانے گلمرگ چلے گئے۔ ایک ماہ بعد وہاں سے لوٹے۔ تو دونوں خوش تھے۔ ایک دوسرے سے مطمئن تھے کہ لمحے جوانی کے تھے۔کیف آور اور نشہ بار۔!

دن حسین اور شامیں رنگین تھیں

مگر کچھ ہی عرصہ بعد اسلم چونکا۔ اُسے احساس ہوگیا۔شادی محض اسکی خوشی نہ تھی۔ اس شادی سے اُسکے گھر والوں کی بہت سی امیدیں وابستہ تھیں۔ وہ . . . . وہ امیدیں کیا ہوئیں۔گھر والوں کے وہ خوش بخت سپنے کیا ہوئے۔باپ، بھائی اور بہنیں بھائی کے دن کیوں نہ پھر سکے بھائی کے چھوٹے بچے اب بھی کیوں پھٹے پرانے گندے کپڑوں میں پھرتے ہانپتے ہیں —— یہ گندگی —— یہ ماحول —— یہ گھٹن کیا ہے۔ نچلے طبقے

کی پیداوار ــــ ! اس پیداوار کو تبدیل کرنے کے لئے روپے پیسوں کی ضرورت تھی - مگر روپیہ اسکی اپنی تحویل میں نہ تھا ــــ زرینہ کے بنک لاکر میں محفوظ تھا - اور زرینہ ..... سب کچھ جانتے ہوئے بھی انجان بنی رہی جیسے اُسے کسی بات کا احساس نہ تھا - اسلم کے گھر والوں سے کوئی رشتہ کوئی تعلق نہ تھا - ایک شام وہ روٹھی سی بیٹھی تھی - اسلم نے اُسے پیار سے گلے لگاتے ہوئے پوچھا ــــ "کیا بات ہے"

زرینہ جیسے پھٹ پڑی

چلّا کر بولی ــــ "اب میں اس گھر میں ایک پل بھی نہیں رہ سکتی تمہارا باپ مجھے کوستا رہتا ہے - تمہاری بھابی مجھے طعنے دیتی رہتی ہے دن بھر مجھ سے لڑتی رہتی ہے - یہاں میرا دم گھٹ جائے گا - تم چاہتے ہو کہ میں ...."

"نہیں میری جان" اسلم اُسے منانے لگا - "تم کہو اب کرنا کیا ہے -؟"

زرینہ جیسے اسی فقرے کی منتظر تھی -

فوراً کہہ اٹھی ــــ "راجباغ میں تمہاری نئی کوٹھی تیار ہو چکی ہے - ہم وہیں چلے جائیں گے -"

ــــ" اسلم کچھ کہتے ہوئے رک گیا - زرینہ کو وہ اپنی ماں سے زیادہ چاہتا تھا - زرینہ کی بات ٹالنا یا اُسے ناراض کرنا اُسکے اختیار میں نہ تھا - تیسرے ہی دن گھر والوں سے علیحدگی اختیار کر کے نئی کوٹھی میں چلا گیا نئی کوٹھی میں آنے کے دو ہی ماہ بعد ایک خوبصورت

بچے کا باپ بن گیا۔ خوشی دوہری ہو گئی —— میاں بیوی نے متفقہ طور پر فیصلہ کر لیا۔ کہ ایک شاندار پارٹی دینی ہی چاہیئے ——

اتفاق سے جس دن پارٹی تھی۔ اُسی دن باپ، بھائی اور مال سے زیادہ چاہنے والی بھابی . . . . . . تینوں اسلم کے بچے کو دیکھنے کے لئے آگئے اسلم بڑے گھر کا داماد تھا۔ بڑا آدمی بن گیا تھا۔ اپنوں کو بھول بیٹھا تھا۔ مگر اپنے اُسے کیسے بھول سکتے تھے۔ بڑی امیدوں کیساتھ پالا جو تھا۔ تینوں ڈرتے جھجکتے ڈرائینگ ہال میں داخل ہو گئے —— اسلم کی نظر اچانک ان پر پڑی —— وہ خوش بھی ہوا اور حیران بھی . . . بے تحاشہ جذباتی مسکراہٹ سمیٹے بے اختیار ان کی طرف دوڑا۔ مگر دو ہی قدم چلنے کے بعد اچانک اُس کے قدم ٹھٹھک گئے —— کوئی مہمان عورت زرینہ سے پوچھ رہی تھی —————— "یہ بھکاری لوگ کہاں سے آگئے کیا تم نے بھکاریوں کو بھی مدعو کیا ہے ——"

زرینہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ سوال کرنے والی عورت کو مطمئن کرنے کے لئے اُس نے ہلکا سا قہقہہ لگا دیا۔ مہمان عورت نے بھی کچھ نہ سمجھتے ہوئے قہقہہ لگا دیا —— ایک زوردار قہقہہ . . . عورت جب قہقہہ لگاتی ہے تو مرد اُسکی تلقین کرنا اپنا اولین فرض سمجھتا ہے ایسا نہ کرے۔ تو وہ اپنے آپ کو دنیا کا احمق ترین انسان تصور کرتا ہے چاروں طرف سے قہقہے گونجے —— یہ قہقہے اونچی سوسائیٹی کے تھے۔ اور قہقہے کا مضمون اسی سوسائیٹی کے ایک فرد کا باپ تھا۔ اسلم کا بوڑھا

جیراسی باپ، مریل سا کلرک بھائی اور پھٹے پرانے کپڑوں میں سوکھی سمٹی بھابی..
..... قبول اپنا سا منہ لے کر تھکے ہارے قدموں سے واپس لوٹنے لگے۔ اسلم
انہیں روک نہ سکا۔ محض دیکھتا رہا۔ کافی رات گئے پارٹی اختتام پہ پہنچی ——
ذرینہ نے بیڈ روم میں آکر اسلم کے اداس اترے ہوئے چہرے کو دیکھ کر
پیار سے پوچھا۔ "طبیعت تو ٹھیک ہے۔ کیا بات ہے۔"

"بات ——— !!" اسلم نے ٹھنڈی سانس لے کر تلخی سے کہا ——
"بھری محفل میں میرے گھر والوں کو بے عزت کرایا اور کہتی ہو کہ....."

ذرینہ نے مسکرا کر بات کاٹ دی۔

"بے عزتی ان کی جاتی ہے جن کی کوئی عزت ہو۔ آپ ہی کہیے یہ دو کوڑی
حیثیت کے انسان یہاں کیا ہمارا مذاق اڑانے آئے تھے۔"

"نہیں ———" اسلم بے اختیار ہو کر سخت اور اونچی آواز میں چلا اٹھا
"وہ ہم سے ملنے آئے تھے۔ ہمارے بچے کو دیکھنے آئے تھے۔ تم جانتی ہو
کہ میرا ان کے ساتھ رشتہ ہے ———"

"رشتہ ——— !" ذرینہ مسکرا دی۔ پھر ایک ایک لفظ پہ زور
دے کر بولی ——— "تھا اب نہیں ہے ——"

"کک..... کیا مطلب ہے ——— ؟" اسلم چونک سا گیا۔
ہوئی نظروں سے اُسے گھورنے لگا۔ ذرینہ نے کوئی جواب نہ دیا ——
خاموشی سے بستر پر دراز ہو گئی ——— اسلم اس رات سو نہیں سکا تھا۔ تمام رات
کروٹیں بدلتا رہا ——— سوچتا رہا۔ تلملاتا رہا۔۔

لیکن اگلی صبح وہ جیسے اس واقعے کو ہی بھول چکا تھا۔ کل جیسے کچھ ہوا ہی نہ تھا ۔ عام دنوں کی طرح پرسکون اور مطمئن تھا۔ دراصل یہ سوچکر وہ خاموش رہا تھا۔ کہ بات بڑھانے سے معاملہ الجھتا ہے۔ سلجھتا نہیں۔ اُسکی بیوی ناسمجھ نہیں۔ پڑھی لکھی عورت ہے۔ کل پرسوں اپنی غلطی کا احساس ہوتے ہی معافی مانگ لے گی۔ اپنے رویے پر نادم ہوجائے گی۔

لیکن نہیں ——— زرینہ نے ایسا کوئی تاثر نہ دکھایا۔

دن گزرنے کے ساتھ اُسکا رویہ مزید سخت ہوتا گیا۔ اُسکا پیار..... اُسکی باتیں...... وہ گرمجوشی...... وہ حرارت جیسے مدھم پڑگئی۔ ماحول میں گھٹن اور تلخیاں پیدا ہوگئیں ——— اسلم سوچ سوچ کے جھنجھلا اُٹھتا ——— آخر کیوں یکلخت یہ کیا ہوگیا۔ یہ انقلاب کیسا — زرینہ کے رویے میں اسقدر تبدیلی کیوں آگئی۔ کیا وہ مجھ سے اُکتا گئی ——— کیا اب مجھ میں کوئی کشش نہ رہی۔ کیا اب میں اسکے لایق نہیں رہا۔ کیا اب...... ؟ وہ اپنے آپ کو کوسنے لگتا ——— آخر وہ مرد ہے۔ اپنی بیوی پر اُسکا کچھ ادھیکار ہے۔ اپنی بیوی کو وہ سمجھا سکتا ہے۔ اسکی بے راہ روی روک سکتا ہے۔ شراب پینے سے باز رکھ سکتا ہے۔ کلبوں میں جانے پر پابندی لگا سکتا ہے۔

مگر نہیں ——— اس کے اختیار میں کچھ نہیں ۔ وہ زرینہ پر کوئی پابندی نہیں لگا سکتا تھا۔ وہ بزدل تھا۔ اُس سوسائٹی

کافر تھا۔ جہاں ایسے معاملوں پر لب کشائی معیوب خیال کی جاتی ہے۔ اُسے ڈر تھا۔ کہیں زرینہ یہ نہ سوچے۔ اُسکا شوہر قدامت پسند ہے۔ تنگ نظر ہے۔ شکی ہے۔ اونچی سوسائٹی کے آداب و اخلاق سے ناواقف ہے۔ کیا واقعی وہ اس سوسائیٹی کے قابل نہیں۔ یا سوسائیٹی کے نام پر اُسے رسوا کیا جا رہا ہے۔ ذلیل کیا جا رہا ہے۔ ہنسی مزاق کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ کیوں۔ آخر کیوں ——— ؟ وہ کچھ نہ سمجھ پا رہا تھا۔ جب بھی اُس نے سمجھنے کی کوشش کی۔ اُس پر جھنجھلاہٹ سوار ہوتی ——— اُسکا خون کھول اُٹھا۔ وہ اپنے آپ کو بے بس سا محسوس کرنے لگتا۔ مگر آج ——— آج ——— ؟ ....

"اسلم صاحب آپ کیا سو گئے ——— "

"ہم . . . . . ہیں . . . . . " اسلم چونک پڑا ——— سوچتے سوچتے کافی وقت گذر گیا تھا۔ پارٹی اختتام پر پہنچ گئی تھی ——— جہاں مہمان سے رخصت لے کر جا رہے تھے ——— اور جہانگیر قریب ہی کھڑا مسکرا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اُس نے اپنے مخصوص طنز آمیز لہجے میں کہا۔

"مسٹر اسلم ادھر کیا دیکھ رہے ہیں آپ ادھر اُس کونے میں آپ کی بیگم بیہوش پڑی ہے۔ میرا مطلب . . . . اُنہیں سنبھالئے۔"

اسلم غصے کی شدت سے تڑپ اُٹھا۔

کچھ بولا نہیں ——— کھنکیوں سے بیہوش زرینہ کو دیکھا۔ پھر بھر پور نظروں سے جہانگیر کو گھورنے لگا ——— پھر اچانک اُس نے

قہقہہ لگادیا

تلخ ...... تیز ...... اور جوابی قہقہہ ——!

جہانگیر چونکا

اسلم بھاری اور اونچی آواز میں کہہ رہا تھا۔

"یہ میری بیوی نہیں۔ ایک طلاق شدہ عورت ہے۔ اِسکا امیر باپ ہی اُسے سنبھالنے کا حق دار ہے —؟"



بوٚچھر

غلام نبی شاہد

کُمِس چھِنہٕ بوٚچھ۔ کُس چھُنہٕ بوٚچھِ ہؠوٚت۔ ساریٕے ہمہٕ تہٕ وِنہٕ
پھیرِ وِنہٕ شکلہٕ۔ ہم وُٹھہٕ وٕنی جانور رنگہٕ رنگہٕ آمی بوٚچھِ پیٚتہٕ لٔس زالس نٔزوٚکی رٔژ
۔۔ کینژَن دوٚ پٔنٛچ بوٚچھ، کینژَن ٹھیچ، کینژَن نیتہٕ مُنڈچ تہٕ کینژَن ملٕکے تہٕ
مجنیٚچ ۔۔ کیٚنہہ بوٚچھِ وٚتاں وٕنانی ہیٚرہٕ سیتۍ منتھنہٕ لوان۔ کیٚنہہ ٹھیچہٕ بوٚچھِ
بوٚچھر دِنہٕ یا پنیٚنہٕ خبر کیٚتین بوٚچھِ تہٕین مُنہ خون ژھان ۔۔ تہٕ کیٚنہہ مانی تہٕ مجتمع
بوٚچھِ ہیٚنتی پنیٚنہٕ کالس مُشرِتھ ووٚنی پانی پالنس بوٚچھِ ہؠوٚتکے کھٔن دٕلتہٕ جرتھ
آلوس پراران ۔۔۔ !!

بہارکی دوہ آسی ۔۔ آبشار کوہسار تہٕ سبزار آسی یاوٕنکی جامہٕ وُلتھ ژھٕنہٕ
ماران ۔۔۔ آبرٕ نالہٕ آسی بہارٕ دامتہٕ دامنہ گرایہ ماران ماران پوشہٕ بٲغن سگ
دِتھ بوٚچھِ ۂتس ژُری شِندری پاٹھی خبر کوٚد لاران ۔۔
بٔشہٕ اوس دارِ پیٹھ بہتھ پوشہٕ پھُلیہٕ کُن مُدرے گنڈِتھ وُچھان۔ تہٕ یچ

دٔژه ژٕژه یاونگ آئو آس دِوان ۔ اُتھی تمی لوٚگ دوہ سودنہ ــــــ
سارے ہے نس پیود کہ ہتھیار تہٕ گٕژ ووٚل پننہ گٹِہ مُہندزال ژوہ پآرِ
ــــــ بشرِاوس واریاہ کالک بمارے ازلوشہِ چھُلے وِچھنہ دشامُت
۔ ییتہٕ وچھتھ تمیٚ سندِین زخمن ہشر آن کٔرِ یلہِ دوہ تھیٚ ۔ خبر کیاہ گٔژھہٕ ہیے؟
اما پوٚز گٹِہ وِچھو تِتے ۔ ییٹھو تمیٚ سندِین زخمن کٔرِ یلہِ تہٕ سُہ آو گیرِان گیران
بسترس پیٹھ لاینہِ ۔ اُچھو مُژ یاوین تہٕ ژٕونہ نمنرہ پرنہِ لوٚنہ دٔژہ آسہ
ژوہ پآرِ گاہ تماوان ــــــ ژٕون آس دوٚر واریاہ دوٚرِ اکس گلس
ثعایہِ بالہِ تھنگس ڈلی تھے ہین ، وٕتھہِ ہندس نیلہِ آبس منز پننہِ لسں
حُسنس سام ہیوان ــــــ نامک آسی اسان تہٕ گِندان اکھ اکِس سیتی
اتہِ واس کرٕتھ وٕتھہِ ہندس نیلہِ آبس منز ژٕونہ ہندس پرنہِ لوٚنس
حُسنس گنتھ کران ۔ بشس ہیو ییُن لوہ کہِ چار یاد یِیلہِ سُہ تہٕ اوس
دوہ ہس اِسنھ تہٕ گِندِتھ شامس اَتھ وٕتھہِ پیٹھس پیٹھ پننہِ ہین لوکچارِ چِھن
وِنَن لول برِان ــــــ

اکہِ دوہ یِیلہِ بشر لوکچارہ چِھن وِنَن لول ژٕرتھ گمو آو تہٕ یہ
وِچھنتھ گوہ وِگتھ زٕہ مول اوسُس بیمارے سفرس کُن نیرہ ژٕنج سکہِ کران
یسمہِ سفرہ پیٹھہ نہٕ از تام کانہہ تہٕ واپس آو ۔ بشس گیہِ ہیرہ پیٹھہ
بوہ ون تام گنی دِین ۔ ژٕن نیوہس لوہ کہِ چارک اکھ اکھ برژٕنہ اکنتہ موٚرِتھو
ــــــ بِتر دژ ووبشن واہیس کانس پوٚنتھ پھری پھری نِلوٚدِن زٕہ
امہِ لوکچارک اکھ برژٕنہ نہ ییہِ نادِ اپس ــــــ اپالوز سوزمت ورخ کو آو

پوٚت یِشمس گو دوکہِ چار نہٕ لوچھ ہیوٚنٛ نہٕ آوِتھ

بِشمس گو ونہٕ اکہ لوچھہِ منِدا حاس — یہٕ لوچھہِ آس ملے نہٕ جیٖتھ — اما پوٚز اتھ لوچھہِ نہٕ لوٗگ نہٕ انٛد — یِمَن سیٖتھ زٕچہِ یہٕ لوچھہ یاگوونگ منز نہٕ یوو یِمَس نہٕ آس لوچھہِ — کٔر دو لیچھ نہٕ طرح — اکہِ دوہہ شِلہ سوٚہ مہر ٹیٖنٛ بنیٖتھ اتھ ٹھیچہِ لوچھہ پوچھر دِنہٕ ڈرایہِ — بٔشہِ اوس دوٚرہِ داریاہ دوہِ تُس دِچھان وچھانی روٗد خبر کیتِس کالس۔

آژ ہُنٛد پٔھیم یہٕ نہٕ لوٗگ دِنہٕ — سارے نٔبس پیٹھ پھیوٚر نوٚو ژُنگ — بٔشہِ لوٗگ سوری ہزواچھو نبَس منز خبر کیاہ ژھانڈنہٕ — ژہرا تارک — یہنٛدِہ نہٕ آسنہٕ سیٖتھ آسمانس دوہ نو یوہ ژھرِہ ہیوٚ اوس بلسان — زوٗن آس زہرا پننہٕ لوچھہ انٛد دِتھ خبر کتھ بالہِ تھنگِس ژھایہِ پیٖتھ — نتہٕ ما آس ژُنٛ نیچے — بٔشہِ نِن اچھن ژھایہِ — بٔشہِ لوٗگ سیٖلہِ آل شُری سٕندی یا ہٹی پالس کھوٚڈی ڈیٖچھنہٕ وچھنہٕ — خبر کیاہ ژھانڈنہٕ —؟ اما پوٚز نشہِ آیہِ خبر گٔتھ مُدنہٕ نہٕ میٖٹھی خاب ہیٖتھ بٔشہِ نِن اچھن ولنہٕ — تہٕ بٔشہِ لوٗگ میٖٹھین نہٕ مُدہٕ خابن سیٖتھ اکھ واس گٔتھ پتھ کالہ چھِن وِزن یاد کرنہٕ۔

خبر کتھ لوچھہِ ہُنٛدِس کفنس لوٗگ چاکھ نہٕ آفتاب دِٹھا و پہاڑہ نٔہرہ نِنہٕ زوٗن دوجو دِہیٖتھ پننہٕ لوچھہِ انٛد ژھانڈنہٕ — بٔشہِ اوس میٖٹھین

خابن منز خیرکمن باغن پیران ۔ اما پوز ماجہ کوڈس آلو تہ یشن مژ راوہ
اُچھ۔ موج وچھن لو کُٹ بیٹھ کو چھہ ہیتھ پالس کُن تھلہ تھلہ وچھان
"موجی بہ چھس از ٹھیک گومُت ۔ ہے ہے آسہ از پتہ مہ لٹہ ڈاکٹرس
گژھُن" ۔ یی وَنان وَنان وۆتھ بشہ تھوٚد ہیتھوٚتُن نیرُن ۔ ماجہ کرُس
تھپھ تہ وۆن اَتھ ۔ "بہ ہا ہیمے ڈاکٹرس نش سیتھ"
"نلے موجی بہ ہے گژھہ پانے ۔ بہ ہے چھس از ٹھیک"
اُتھو سیتھ ترا ون ماجہ تھپھ یلہ تہ دراو ۔ موج لجس مُدے گنڈتھ
وچھنہ ۔ وچھ ہمس نہ کیاہ ۔ بشس لگار اوُسس نہ کُنس ۔ بشہ
یمہ دوہہ کامہ گژھنے ہمہ دوہہ پیسہ ہے دانس نیوٚ نگل ۔ پتہ میو
تہ لُوٗ کالو پیٹھہ دو تکھ فاقہ دِوان ۔ بہ تیتھ شاہ تہ اوسنہ
سُہ گوو بشنہ بیمارہ پیٹھہ ختم ۔ ۔ ۔ بشس وآتی ترے دوہ
دواہ چینہ سے ۔ ادہ ہمس یاسان پآتی پان ٹھیک گومُت ۔ خبر
یہ ما ژھینتہ گژھن وقتہ ثانگیح تیز رہیہ ۔ ڈاکٹر شنہ ہُنک ناو
لُوٚزتھ گوو بشہ سیٹھاہ خوش مگر سیتی لوگ بیشس اکس لوچھہ
گوڈ بیتھ پتہ میو شیُو کالو پیٹھ بیمارہ ہنزی نادِل پردہ او
تھوٚو ومُت ۔ پردہ گوو وچاکھ تہ بشس تور نکہ
لوچھہ چھ سادے لوچھو خو تہ کژ پیٹھ نہ
لوچھ وۆل پننہ یاونگ کھن تہ دوٚ یراوِن پآتی پانہ سے منز
یہ لوچھہ ولہ ۔ نہ ہرگز نہ ۔ بشہ ودت ہی سوچان سوچان

گمہٕ ــــ دروازس نِش ووت تہٕ بٔیِنہٕ ہٕتر آواز گٔیِس کنَن۔

"موجی بنہٕ ہے۔ ہیے ہے لجیٚ بوچھہٕ ــ تہٕ کونٕے ہیے بتہٕ دوان"

"خیر موجی ... وَنٕیَس ــــ بشن مٔژ رووو دروازہٕ ــــ ماجہ

پیٚشیہ نظر نہٕ ووٚن تس۔

"بشا کہو ووٚن نٕے ڈاکٹر صاب۔؟

تسن اوس ہیٚر خوشک گومُت۔ اَچھو آسس یٔوری دژا مژہٕ

ــــ ماجہ مُتہد آلو یُوز تھ پیوس ڈاکٹر یاد تہٕ ووٚن تس

"موجی دوٚ پنیم ہے وٕ نہٕ دِہ دوٚن ترٕیِن دوہن بییہٕ فاقہٕ

ڈوچھکھ ونہٕ بیمار ے"

بشہٕ آویٚی ونان ٹاس کرِتھ پھرلا یِنہٕ ــــ

"بشا ــ بشا" موج واٚتٕژ ہٕی ونان بشنس نِش ــ مگر

ــــ بشہٕ اوس بوچھہٕ کھیومُت ــــ!!



افسانہ

سیّد یعقوب دلکش

"مے کاژاہ راتھ ژگیہ یتھ ژ آنگس دزان.... ؟ اتھ نہ ناو تام پوشہ نیل -؟
امچہ رنگہ کیاہ دوہ ہتہ خوشہ دوہ ہتہ ہُر بہ گژھان ؟ ... یہ رنگہ
کرسو یہ ـــ ؟ نہ ژونگ کر گژھہ ژھیتہ"

"بیلہ اچھ سو یتھ نیل ژھتھ پانے دنہ ـــ"

"سہ ورخ کر وانہ" ـــ ؟

"تمہ وخت یم وممہ لیکھ بہ کھتہ نتہ کنہہ ـــ اما پوز لیکھ کیاہ ؟" ـــ
"بہ لیکھہ نی بہ بہ چھس" لیکھنہ بروٹھہ کُس دیہ مے اتھ سوالس
جواب نو بہ کیاہ چھس ؟"

پنُن قلم ـــ مگر قلمس چھہ میل موکلہ نشہ تیار ـــ یو تام تتھ
میل پوشہ ـــ "سہ گژھہ ونان"۔

لانہ کُس ؟ ـــ کاغذ ـــ

اوہو ـــ بہ کوت ووتس ؟۔

توتے تیتھ بہ اوسس ـــ

"بہ کُنہ اوسُس"؟ — "ہردہ کیٛن زرد پیٛتہٕ وُتھرن منٛز"
یمہٕ دایہ کھرہٕ پوشمنٛزی چھا کم تیٛر لیوان — لوٚنٛہ چھُ پنٛا چھو ووٚنمُت
— ہشر نہ یہِ ہٕ منٛزی چھہٕ ڈایہ کھاری ترا ثان — گوڈہ پیٛوونہ اتھ دوہ ہس
کم شیٛن — !

"یہ شنٛز ژھَٹھ کیاری چھہ لیوان ؟" — دایہ سُنٛد کاغذ چھُ ووٚتھمُت" —
نیٛرِ ہ کینٛہ نے کاغذ لا گِتھ آسہ ہے — جانور مارہن تیٛر پھلہ یا پھٹہ لُکھ۔
"پکاہ لاگِہ بہ اندری کینٛہ کاغذ —

نہ نیٛری کینٛہ — نہ کیاہ نفرہ دودناہ بہ — نفرہ حاٹ آنی
گیٛیہ ِ ہنٛد حاٹ آنی — نفرہ چھُ اکِس انسانس — ژور — تھپھ — اپزٕ
ہٹس دزہ منٛد شروک پھنہ لس پیٛٹھ مجبور کران۔

"گوڈہ کوسہ فرق پییہ اگر شیشہ پھٹہِ نہ لاگوس —
بکہ وُڈہ گیٛیہ رود پییہ نہ — اما پوز اگر شیشہ پٹہ نہ پھٹہِ — لوٗی کُس آنہ ؟
یتھہ اگر کاغذ ژھینہ نہ — اکھ ژھیٛنتھ بیاکھ لاگوس — آ —

ہے چھہ زلوا کاٹے — بیہ نہ زلوہ کرِتھ — ؟
ہے چھہ اُچھوٗ شنٛد — بہ کیاہ نہ سوٗرے وچھان —
بہ کیاہ چھُس یہ وچھان — ہے کونہ شنٛد پیوان" —

"گوڈہ بیتھ ینٛدرہ سوٗرس لوٗزی کُس پییہ شنٛد — ؟
پیٛٹھہ آسہ نہ یہے ینٛدرہ کرٛچ گرٛچ گنٛن کران —
بہ چھُس حاران — موج گیاہ چھنہ دوہس کوٗٹھ وٗٹھہ ترنہ لیوان

دۄہ نصیب ژاٹھ تام ژٕ آنگس تَل ہیتھ چھہ موج پمب پنہٕ منز یِ کمن
کمن خابَن مہرٕ رنہٕ منز پاٹھی پاٹھ ناوان آسان ـــ
ییندرہٕ سوز پنہ پنہ مہر نَمن ز ہیٹھی ز نہ وَن ہُری نژاوان ـ

یہ پرچ کوٚرچ کر گژھہ نیند ـــ ؟

بیٹلہ نیندر چھ کنز ہوٚکھنہٕ روٚشہ سنہ ـ بیٹلہ نیندر ژلس یَن کلی ڈلی ہیٹھ اژہ ـــ نہ بیٹلہ لوٚنہ گھستھ ژھیٹنتھ ییہ ـــ یا بیٹلہ نیندرہ پیچین کہی دز نیرتھ ییہ ـــ بیٹلہ ژکہ پھٹتھ ییہ ـــ ادہٕ موج پنٕن ـــ میانی پاٹھی سُلہٕ بسترس منز اژتھ ہیٹھ نیندر ترٛاوہ ـــ

اوہو ـ کانگرے پھیرے یہ سارِنی بلہ وَن لجوونار ـــ کُنی ژٕ نہ مونڈر گژھہ ہے ـ تمیک اوس سہلی ـــ نار چھ سِرس سرپوش تُلان ـــ

مار ماران اکس مگر ـــ نار ماران سارِنی ـ

نار چھ ڈنہ ہیٹھ بہہ ناوان ـــ نار چھ پرنیت تُلان

یہ شینہ ژھٹھ چھ لمہ کانین نژتھ گژھان ـــ تونہ چھ ہیے کانگرہ سینس سینی نالہ موٚت کوٚر مُت

اما یہ ژٕ کیتھ گوو ؟

لیقہ وُ ڈر کیا سا آیہ کھورنہٕ ہیٹھ سینی ژھیٹنتھ ـ ژو ـ ژو ـ ژو
بُو کجوم زنگن واش ـــ پہتر چھ کوٚٹھو ڈٹھ شونگن ـ

"اوہو ـــ یہ کوٹ وولُس یے نوٚٹے بیتر یہ اوسُس ـــ یہ کتہٕ اوسُس ـــ ؟ ہرد کیٚن زرد پنہ ڈھرن منز" ـــ

ییٹھ مۆد نہ ٹاٹھس وَنُن یادِ ے — نِہ ٹاٹھیا — اَز تام ووت
یہے سارِنے باپادِن چون یہ گُل ہٕوان — اماپوٚز باپاری ونان —
نِہ یہ چھُنہ بُہ زوٚل — یہ چھہ ووٚنٹ —!"

"بہ ووٚنٹ نہ بُہ زوٚل کیاہ گوو —؟

مگر ٹاٹھیا — سون گُل ہے چھہ بُہ زوٚل — ووٚنٹ کیاہ نِہ باپاری ونان —؟

نیلہ گو ومیانہ سوچنہ موٚجوب ووٚنٹ ڈووٚنی گُل ہانہ ڈووٚنی گلس برابر آ — ہانہ ڈووٚنی گلس برابر —

نہ ژھ کنھ ہیکہ نہ بہ ماجہ وُنِتھ نہ ٹاٹھس —؟

تکیازہ ژٕم دو شوٗے آسی گلس گو ڈیران — تہ بہارِہ خاطرہ دوا پاشی کران — آیِن نہ گژاین وچھان — اسندس ہیلس پاراں
اما — بہ کیاہ چھس بہ لیکھان؟ — بہ چھس لیکھان تی یہ بہ چھس۔

کم لہ پھرنی دِتی نہ یہے — گو ڈہ چھانانہ کم بُڈ بیٹھہ تشرانس سُمبیلہ آژگُس یپہ نہ تنگ —؟

خبر گژھیے یہ — ژٕم پیش نہ چھہ کتام شونگِمُت —
ینداوک کرِچ کزِچ نہ چھہ گومُت نِیِد — ژونگ نہ چھہ نیار ژھینہ گژھہ نس — دونی ماپیٹھ نیندرِ ہ زو لاہ۔
کوسہ تام موجہ چھہ بچس — الا گوٚ رکی رکی نِندرِ پاوان —

ہۄنی چھہِ کوچہِ ہُنزِ دۄرِ دورِ کران — ہیے کو نہٕ نندرِ زوٕل یوان — ہیے کو ناہ شروف دلو چھُہ — ہیے ہیٚز یودٕ ڈاکٹرس نندرِ خاطرٕ دواہ —

ہَے —. وُچھ میے اوس کیٚوٚن شونگن وقتس"

نہٕ گھرٕ ہے بیندرِ کرِچ کُرِچ نہٕ بیٚھن دیاپادٕن ہٲرٕ کھِتھ —

نہٕ شرِین ہٲتر کنٕ بِکے — نہٕ ہونٕن ہُنز دوہ ثوہ رٲے۔

نہٕ پھیرٕ ہا کانگرے — نہٕ لگہ ہا نارے — نہٕ موکلہِ ہا تہٕ آنگس تلے —

کوٗس گوٚب نندر پییہ ہا۔"

ہنتر چھُہ دواہ ییٚن کھیٚتھ — آ — خبر کا تیاہ پھلی چھہ کھیٚنی؟

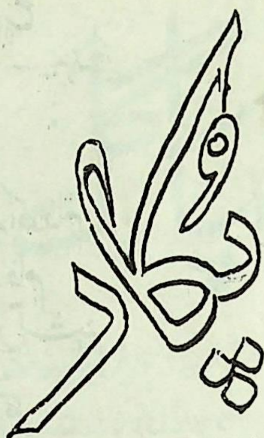
یم آسن اکھ زٕ پھلی کھیٚنی — بہٕ کھیمہ —

مگر ہیے اوس کیاہ نام لیکھن —

یہ کیاہ لیکھہ —؟ بہٕ لیکھہ تی یہٕ یہٕ چھُس؟"۔

اکھ — زہ — ترٚے — آ-ہا — وو فی پییہ ییٚے گوٚب نندر —!

●



بکھر جاؤ
نغمہ بن کر
سرِ بازار تم . . . .
کہ تو مسیحا ہے
اس صدی کا پیمبر ہے
شہرِ ظلمت کی
یہ روح فرسا چیخیں
سُن !
یہ جلتے چہرے
تک —— !

یہ بندشیں
یہ سخت زنجیریں . . . .
توڑ —— !
کہ تیرا لب تیرا نہیں
کارواں دور ہے بہت دور——..
جس کی گرد چھو کر
میں لوٹا ہوں۔
میں سویا تھا
میں جاگا ہوں
خدارا —— تو بھی اُٹھ
جاگ۔
پھونک دے
ان چراغوں کو
کہ ان میں تیل نہیں
لہو تیرا ہے —— !

مشتاق احمد مشتاق

گوہ لاپ وھرن پاچھ
تتہ ہاپر پچ
...
پچیہ ...

بیرِ جام
میٹے گڑھ اکھ دام
فقط اکھ دام
بیرِ چھس تشنہ
سوہ تیشنہ
سرِ راہ
وچھس بیٹھ تتہ لیشہ لو ناہ ہیچھ
چاوان سارِ نے
خوش نہ کانہہ
شہرِ نالاں
ہمِش لکھ بیزار
ژھوہ پہ ژھوہ پہ — کا ژاہ ژھوہ پیہ!
بیرِ گووکجر
بیرِ گوہ وانہ
اون نہ کانہہ
سارِ ی گاشدار !!

غلام نبی شاہد

پاگل

مشتاق احمد مشتاق

مغرب کی ہوائیں تیز اور طوفانی تھیں۔

ان ہواؤں کا زور شدید تھا۔ پتے کانپ رہے تھے۔ درخت اکھڑ رہے تھے۔ مکانوں کے چھت اڑ رہے تھے۔ . . . یکایک پہاڑ کی سب سے اونچی چوٹی کا پتھر ان ہواؤں کی زد میں آگیا۔ اپنی جگہ سے ہل گیا۔ پھر سنبھل نہ سکا۔ اور دوسرے ہی لمحے نیچے بستیوں کی جانب لڑھکتا چلا گیا۔ نیچے کوئی گہری کھائی نہ تھی بلکہ ایک بارونق پُرپیچ سڑک تھی۔ لڑھکتا ہوا اسی سڑک پر آ پہنچا

بے رنگ . . . بے جان . . . بے حس پتھر

یہ پتھر . . . راہ چلتے ان گنت انسانوں کے لئے ایک تماشا بن گیا۔ لاتعداد ٹھوکروں نے اس پتھر کے نوکدار حلیے کو بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔ یہ پتھر ایک ہیبت ناک تصور بن گیا تھا۔ ایک نظر اس پر ڈال کر انسانوں کے جیسے رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔ لیکن کوئی تاثر دئے بغیر خاموشی سے آگے اپنی منزل کی سمت بڑھ جاتے۔ اس ایٹمی دور میں اتنی فرصت کہاں۔ کہ انسان

بے جان پتھر دل پہ ٹھوکر کرے۔ کسی کا ہمدرد نہ بنے پھرے ــــــ

راہ چلتے ہوئے جب بھی یہ پتھر میرے چپکیلے بوٹ کی نوک سے ٹکراتا تو ایک لمحہ کے لئے میں سوچنے لگتا ـــــ "یہ پتھر کیوں یہاں پڑا ہے۔ کیا محض ...... ؟" لیکن دوسرے ہی لمحے سوال ذہن کے تاریک گوشے میں ڈوب جاتا۔ کیوں کہ کھڑی چمنیوں کے منہ سے نکلتا ہوا بھیانک زہریلا دھواں مجھے اپنی جانب بلانے لگتا ہے۔ میں کسی ان دیکھی قوت کے زیر اثر سنگ سیاہ کی عالیشان عمارت کی طرف بھاگتا ہوں۔ دوڑتا ہوں۔ آتا ہوں۔ جاتا ہوں شام کو وہاں سے لوٹ کر پتھر کو سڑک سے اٹھا کر فٹ پاتھ پر رکھ دیتا ہوں۔ کہ کسی اور راہی کے لئے مصیبت نہ بنے۔ کسی کے پیر، کسی کے قیمتی جوتے کو زخمی نہ کرے۔ لیکن اگلے دن اس پتھر کو پھر سڑک کے بیچوں بیچ پڑا پاتا ہوں۔

ــــ اب یہ عام سی بات ہوگئی ہے میں نے سوچنا ہی چھوڑ دیا۔

لیکن ....

ایک دن جیسے ہی میرے سنگتراش دوست کی نظر اُس پتھر پر پڑی۔ وہ چونک سا اُٹھا۔ غور سے اس پتھر کو دیکھنے لگا۔ جیسے وہ پتھر نہ ہو۔ کوئی ہیرا ہو۔ اگلے ہی لمحے سنگتراش کی آنکھیں مسرت سے چمک اٹھیں۔ مجھے بعد میں معلوم ہوا۔ کہ وہ پتھر کے کسی خاص نقش سے متاثر ہوا تھا۔ پتھر کے حقیقی سنگتراش کی من ہی من میں تعریف کرتے ہوئے اُس نے کچھ فیصلہ کیا۔ اور پتھر کو اُٹھا کے گھر لے آیا ـــ کچھ دن بعد جب میں نے سنگتراش دوست سے پوچھا ـــــ

"تم اس بے جان پتھر کا کیا کرو گے۔۔۔؟"
نوجوان سنگتراش کی تخلیق کردہ خوبصورت مورتی ہنس پڑی۔
سنگتراش بھی مسکرایا۔ عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

وقت اور حالات کا ایک ہیبت ناک المیہ تھا۔ ایک ایسے ہی پتھر کا مدت سے آرزومند تھا۔ گلی گلی...... شہر شہر ایسے ہی پتھر کی تلاش میں مارا مارا پھر چکا تھا۔

سنگتراش اور پتھر...... خالق اور مخلوق.... انسان اور شیطان ۔ شیطان انسان سے زیادہ عظیم ہے۔ کہ آج تک اپنی فطرت نہ بدلی اپنے مقصد اپنے موقف پر ڈٹا رہا ـــــ

سنگتراش نے رات دن اس پتھر پر صرف کیا۔

اُسکی بھرپور محنت، لگن اور فنکارانہ انگلیوں نے بے جان پتھر پر ایک نیا اور اچھوتا نقش چڑھا دیا۔ پتھر میں جان سی آگئی۔ پتھر اب بولنے لگا تھا۔ چلنے لگا تھا۔ دوڑنے لگا تھا۔ قہقہے لگانے لگا تھا......

...... اُس دن سنگتراش خوش تھا۔ کہ اُس کی زندگی کا ایک نامکمل خواب پورا ہوگیا تھا۔ اُسے اپنی عظمتوں کا لوہا منوانا تھا۔ اس شاہکار مجسمے کو منظر عام پر لاکر مداحوں سے داد حاصل کرنا تھا۔ وہ پتھر کو پھر اُسی سڑک پر لے آیا۔ جہاں سے اُٹھایا تھا۔ پتھر میں اب جان تھی۔ اپنے سیاہ سفید کا خود مالک تھا۔

سڑک پر لوگوں کی بھیڑ جمع ہو گئی۔ ان میں سنگتراش کے مداح بھی تھے۔ اور فن کے سودائی بھی۔ ۔ ۔ ۔ ایک سوداگر سے سودا طے ہوا۔ سنگتراش نے نہ چاہتے ہوئے بھی پتھر کے اس حسین مجسمے کو سوداگر کے حوالے کر دیا۔ لیکن اچانک ایک ہی لمحہ میں سنگتراش کی دنیا جیسے گھوم گئی۔ ۔ وہ بے اختیار چونک اٹھا ——— کہ اس نے پتھر کے انمول نقش پر اپنی خوبصورت مورتی کو مچلتے ہوئے دیکھا۔ پتھر اس کی زندگی بھر کی تخلیق چرا کے لے آیا تھا۔ اسکی روح اپنے قبضے میں کر چکا تھا ———

سنگتراش ایک فنکار تھا۔ فنکار حساس ہوتا ہے۔ روح کے سہارے ہی زندہ رہتا ہے۔ کوئی جب فنکار کی روح چھین لیتا ہے۔ تو فنکار کی آدمیت، انسانیت ایک ہی پل میں حیوانیت میں بدل جاتی ہے۔ سنگتراش بھی چیخنے لگا تھا۔ چلانے لگا تھا۔ بے اختیار گالیاں بکنے لگا تھا۔ لوگ معاملے کی تہہ تک نہ پہنچ سکے۔ حیرت سے اسے تکنے لگے۔ اتنے میں اسکی جان سے پیاری تخلیق ۔ ۔ ۔ ۔ مورتی! اسکے ہاتھوں سے نیا شاہکار مجسمہ ——— ۔ ۔ ۔!! دونوں یک زبان چلا اٹھے ——— "پاگل"

پاگل ——— پاگل ——— پاگل ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یک لخت جیسے کائنات کا ذرہ ذرہ چیخ اٹھا ——— لوگ ایک لمحہ کے لئے وحشت زدہ سے ہو گئے ——— دوسرے ہی لمحہ سنگتراش پر سنگ باری شروع ہو گئی ———

پاگل جو ٹھہرا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔!

●



غلام نبی شاہد
تاج آرٹس خانیار سرینگر



مشتاق احمد مشتاق
سودہ ٹینگ رعناواری سرینگر



سید یعقوب دلکش
شیشگری محلہ خانیار سرینگر

دِل کا دُھواں

نوجوان افسانہ نگار مُشتاق احمد مشتاق کا پہلا ناول

جس میں اندھیری راتوں کی سسکتی چیخیں ہیں۔ کربناک قہقہے ہیں۔ سماج کی دُکھتی ڈوبتی سانسیں ہیں — ماں باپ۔ بہن اور شعلہ ریز جوانیوں کے بیچ بھٹکتے ہوئے ایک حساس نوجوان کی تلخ و حسرتناک داستان۔

جدّت طرازیوں کے ساتھ بہت جلد منظرِ عام پر آرہا ہے۔

